استدلال نمبر 16..... سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سالِ ولادت بھی معاملے کو واضح کرنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے:

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمر میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پانچ سال بڑی تھیں، بہ ظاہر یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے اور یہ بات خلافِ واقعہ بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِس غلط روایت سے ام المومنین کی 9 برس میں رخصتی والی روایت بھی یکسر غلط ثابت ہوجاتی ہے کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سالِ ولادت اِس عقدے کو حل کرنے میں ہماری مدد کرتا ہے کہ رخصتی کے وقت ام المومنین کی عمر کم از کم کتنے برس تھی.....

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سالِ ولادت باسعادت کے حوالے سے کتب تواریخ میں مختلف روایات ملتی ہیں، جن کے مطابق:

☆ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی اور یہ وہ مبارک زمانہ تھا کہ اہل قریش کعبۃ اللہ کی تعمیرِ نو میں مشغول تھے (طبقات ابن سعد)

☆ ابن سراج، بہ روایت عبداللہ بن محمد بن سلیمان الہاشمی لکھتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے سال نبوی میں پیدا ہوئیں (کتاب الاستیعاب)

☆ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت اُس وقت ہوئی جب خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اور عین اُس وقت جب حجرِ اسود نصب کیا جا رہا تھا سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دنیا میں تشریف لائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر اُس وقت 35 برس تھی (کتاب الاصابہ)

☆علی بن حسین مسعودی لکھتے ہیں کہ آپ ہجرت سے آٹھ برس قبل پیدا ہوئیں (مروج الذھب)

☆علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش اس سال ہوئی جس میں خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر 35 برس تھی (اسد الغابہ)

اِن مختلف النوع روایات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ زیادہ تر مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت اُس برس ہوئی جس میں خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، خانۂ کعبہ کی تعمیر نو اعلانِ نبوت سے پانچ برس قبل کا واقعہ ہے جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر 35 برس تھی، اگر اِس روایت کو تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت کے پانچ برس بعد ہوئی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ 40 برس کی عمر میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت کیا تو اُس برس سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ہوئی، یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمروں میں 40 برس کا فرق تھا، اور اس بات پر چونکہ تقریباً تمام ہی مؤرخین متفق ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شوال ۲ ہجری میں رخصت ہو کر حرم نبوی کا مقدس حصہ بنیں تو اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر اقدس 54 برس تھی (کیونکہ 9 برس بعد ۱۱ ہجری میں 63 برس کی عمر میں دنیا سے پردہ فرمانا امت مسلمہ کے یہاں ایک متفقہ امر ہے) اس کے معنی یہ ہوئے کہ رخصتی کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کم از کم 14 برس تھی.....

اگرچہ یہ روایت ہمارے اس دعوے کی تصدیق نہیں کر رہی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر رخصتی کے وقت 19 برس تھی تاہم یہ روایت اُس زبان زدِ عام روایت کی بھی تردید کر رہی ہے کہ بوقت رخصتی آپ کی عمر 9 برس تھی.....

جن مؤرخین اور سیرت نگاروں نے نکاح کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چھ برس

اور رخصتی کے وقت نو برس بتائی ہے اُن ہی میں سے بعض نے بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر بھی شادی کے وقت نو یا دس برس بیان کی ہے جو میرے نزدیک اسی طرح کی فاش غلطی ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کے معاملے میں روا رکھی گئی ہے کیونکہ شادی کے وقت تاریخ اسلام کی ان دونوں عظیم خواتین کی عمر 9 برس بیان کرنے والی روایات تضادات سے بھرپور ہیں اور حقائق کی رُو سے یہ ممکن ہی نہیں کہ دونوں خواتین کی عمر شادی کے وقت 9 برس ہو، یعنی اگر کوئی شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ رخصتی کے وقت ام المومنین کی عمر 9 برس تھی تو پھر اُسے لامحالہ یہ روایت رد کرنی پڑے گی کہ شادی کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 9 برس تھی کیونکہ مستند حوالوں سے ثابت شدہ ٹھوس شواہد کی موجودگی میں بیک وقت دونوں روایات پر ایک ساتھ یقین رکھنا ممکن نہیں.....

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ کا شمار جید محدثین میں ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے نکاح ہونا طے پا گیا تو آپ کی شادی کے لیے جن ماؤں نے سامان درست کیا تھا اِن میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے انہوں نے خاص طور پر اس کا اہتمام کیا، مکان لیا، بستر لگایا، اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دُھن کر تکیے بنائے، چھوہارے اور مقے دعوت میں پیش کیے، لکڑی کی ایک الگنی تیار کی کہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں (سنن ابن ماجہ)

اِس روایت کو ذہن میں رکھیں تو کیا یہ بات قرین عقل محسوس ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی 9 سالہ صاحبزادی کی شادی کے لیے 9 سالہ زوجہ کو اہتمام کرنے کا حکم دیں حالانکہ گھر میں سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شکل میں ایک جہاندیدہ خاتون پہلے ہی سے موجود ہوں؟

دوسری بات جو میرے نزدیک اس سے کہیں زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی یہ کہتا ہے کہ شادی کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 9 برس تھی اور پھر وہ ہی شخص اس بات پر بھی یقین رکھتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر بھی شادی کے وقت 9 برس تھی تو دراصل وہ بیک وقت ایسی

متضاد روایات پر یقین رکھتا ہے جن کا وقوع ایک ساتھ محال ہے.....

گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ زیادہ تر مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت کے وقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر 35 برس تھی، سنہ ۲ ہجری میں جس برس غزوۂ بدر پیش آیا اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک 54 برس تھی، بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر کے ایک یا دو ماہ بعد سنہ ۲ ہجری ہی میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا، اس کی تصدیق صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مجھے یوم بدر میں ایک اونٹنی ملی تھی میں نے چاہا کہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو رخصت کر کے لے آؤں'' (صحیح بخاری)

اس کا مطلب یہ ہے کہ غزوۂ بدر تک سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شادی نہیں ہوئی تھی، غزوۂ بدر کا تاریخ ساز واقعہ رمضان ۲ ہجری میں پیش آیا لہٰذا شادی کا برس ۳ ہجری بھی ہوسکتا ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو شادی کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 19 یا 20 برس بنتی ہے، کیونکہ جب آپ اس دنیا میں تشریف لائیں تو آپ کے والد ماجد کی عمر مبارک 35 برس تھی اور سنہ ۳ ہجری میں آپ کی شادی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر 55 برس تھی.....

یہ ہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ اور علامہ ابن عبدالبر علیہ الرحمہ نے شادی کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 21 برس بتائی ہے (تہذیب التہذیب/کتاب الاستیعاب)

اِن حقائق کی موجودگی میں یہ بات یکسر غلط ثابت ہوجاتی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی 9 یا 10 برس کی عمر میں ہوئی تھی اور یہ تمام تصریحات یہ واضح کر رہی ہیں کہ رخصتی کے وقت نا صرف یہ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 9 برس نہیں تھی بلکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر بھی شادی کے وقت 9 برس نہیں بلکہ 19، 20 یا 21 برس تھی (واللہ اعلم بالصواب)

استدلال نمبر 17..... حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر سے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کا تعین:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر اقدس کی تحقیق کے دوران ایک ایسی واضح دلیل میرے علم میں آئی جس نے میرے اس مؤقف کو مزید قوی کر دیا کہ آپ کی عمر بوقت رخصتی کم از کم 19 یا 20 برس تھی، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمروں میں دس سالہ فرق وہ حقیقت ہے جسے تقریباً تمام ہی محدثین نے تسلیم کیا ہے اور ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال چھوٹی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ۷۳ھ میں سو سال کی عمر میں ہوا، اس روایت کا ام المومنین کی عمر سے کیا تعلق ہے اس پر میں بعد میں تبصرہ کروں گا پہلے اُن مایہ ناز محدثین و مؤرخین کی معرکۃ الآرا کتابوں کے اقتباسات پڑھیے جو اُنہوں نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کے حوالے سے نقل کیے ہیں:

☆ مشکوۃ شریف کے مؤلف امام ولی الدین الخطیب رقم طراز ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں، مکے میں ابتدا ہی میں اسلام لائیں، وہ اپنی بہن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں اور انہوں نے اپنے بیٹے کی شہادت کے دس دن بعد وفات پائی، اُن کی عمر سو سال ہوئی اور یہ وقوعہ مکے میں ۷۳ھ میں پیش آیا.....

(مشکوۃ شریف، کتاب الاکمال فی اسماء الرجال)

☆ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سو سال زندہ رہیں، ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں اُن کا انتقال ہوا (تقریب التہذیب)

☆ علامہ ابن حجر عسقلانی ہی نے ''کتاب الاصابہ'' میں حضرت ابو نعیم اصفہانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہجرت سے 27 سال قبل پیدا ہوئیں (کتاب الاصابہ)

☆ حافظ ذہبی نے اپنی کتاب میں عبداللہ ابو الزناد کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں اور عروہ کا بیان ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال سو سال کی عمر میں ہوا (سیر الاعلام النبلاء)

☆ علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو عمر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں، انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ۷۳ھ میں انتقال فرمایا، اس وقت وہ نابینا ہوگئی تھیں اور بوقت وفات ان کی عمر سو سال تھی (کتاب الاستیعاب)

☆ علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہجرت سے 27 سال قبل پیدا ہوئیں اور ۷۳ھ تک حیات رہیں (اسد الغابہ)

☆ علامہ ابن کثیر نے اپنی شہرۂ آفاق تالیف ''البدایہ والنہایہ'' میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جو تذکرہ کیا ہے وہ من وعن یہاں نقل کیا جا رہا ہے: ''اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا موت کے اعتبار سے تمام مہاجرین و مہاجرات میں سب سے آخری ہیں، ان کی بہن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اُن کے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اُن کے دادا حضرت ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے شوہر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور یہ سب کے سب صحابی ہیں، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بیٹے اور شوہر کے ساتھ معرکۂ یرموک میں شریک تھیں، یہ اپنی بہن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں، ۷۳ھ میں انہیں اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ دیکھنا پڑا، اس واقعے کے پانچ دن بعد اور

ایک قول ہے کہ دس دن بعد، تیسرا قول ہے کہ بیس دن بعد اور چوتھا قول ہے کہ کچھ اوپر بیس دن اور پانچواں قول ہے کہ سو دن بعد (اور یہ ہی قول مشہور ہے) حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی، وفات کے وقت اُن کی عمر سو سال تھی مگر نہ ان کا کوئی دانت ٹوٹا تھا اور نہ ان کی عقل میں کچھ نقص پیدا ہوا تھا (البدایہ والنہایہ)

یہ ہیں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کے حوالے سے امام ولی الدین الخطیب، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ ابن عبدالبر، حافظ ذہبی، علامہ ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر رحمھم اللہ جیسے جید علماء کی درج کردہ روایات جن کا شمار عالم اسلام کے ثقہ ماہرین رجال میں ہوتا ہے، یہ تمام اشخاص حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سن وفات اور سو سالہ عمر پر بلا استثنا متفق ہیں اور اِن کی اور ان کی چھوٹی بہن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمروں میں 10 سال کا تفاوت بیان فرما رہے ہیں، جس کا واضح نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ کے وقت اگر حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 27 برس تھی تو ہر کس وناکس کو یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ اُس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر 17 برس تھی اور ہجرت کے ایک برس بعد جب آپ رخصت ہو کر خانۂ نبوی میں تشریف لائیں تو آپ کی عمر 18 برس تھی، اور یہ ہی روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے مطابق بھی ہے کہ آپ نے ایک ایسی خاتونِ مکرم سے شادی کی جو اپنے بھلے برے کا شعور رکھتی تھیں اور بلوغت کی انتہائی حد کو پہنچ چکی تھیں۔

متذکرہ بالا تاریخی کتابوں کی شہادتوں سے ۷۳ھ میں سو سال کی عمر میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کا ثابت ہونا اس امر کا بھی واضح ثبوت ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت اعلان نبوت سے 15 برس قبل ہوئی اور اس لحاظ سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت اُن کے 10 برس بعد یعنی اعلان نبوت سے 5 برس قبل ہوئی جو اس امر کی ایک اور شہادت ہے کہ رخصتی کے وقت آپ کی عمر کم از کم اٹھارہ سال تھی اور بعض روایات سے تو یہ 19 یا 20 برس بھی ثابت ہوتی ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کے حوالے سے مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُن کا نکاح حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے 25 سال کی عمر میں ہوا اور رخصتی ایک برس بعد عمل میں آئی، یہ تمام تر رسومات اُن کے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرپرستی میں انجام دی گئیں، اس روایت کے ساتھ ساتھ اگر ہم اس روایت کو بھی تسلیم کرلیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی 9 برس میں ہوئی تو یہاں ایک اور تضاد جنم لیتا ہے اور وہ یہ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی بیٹی کو 26 سال تک بٹھائے رکھا اور چھوٹی بیٹی کی شادی کی اتنی جلدی تھی کہ اُسے نو سال کی عمر ہی میں رخصت کر دیا، یہ فعل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت سے مماثلت نہیں رکھتا کہ آپ اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی کے سلسلے میں یہ تفریق روا رکھیں.....

استدلال نمبر 18.....ام المومنین کا اسم گرامی اسلام قبول کرنے والی ابتدائی شخصیات میں شامل ہے:

صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا اُنہیں مسلمان ہی پایا (صحیح بخاری)

دیکھا یا جانا نہیں بلکہ پہچانا.....!!

دیکھنے، جاننے یا پہچاننے کے فرق پر غور کرنے سے یہ ہی حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ نا صرف یہ کہ آپ کی ولادت اعلانِ نبوت سے کافی پہلے ہی ہو چکی تھی بلکہ آپ نے ابتدا ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا، اگر آپ کا ایمان لانا کسی کم سن بچی کا طرزِ عمل ہوتا تو مؤرخین آپ کی قبولیت ایمان کو ہرگز کوئی اہم واقعہ قرار نہ دیتے اور نہ ہی السابقون الاولین میں شامل اُن جلیل القدر ہستیوں کی فہرست میں آپ کا اسم گرامی شامل ہوتا جنہوں نے ابتداء میں دولت اسلام سے اپنا دامن بھرا.....

عہد اسلامی کے تقریباً تمام ہی نامی گرامی مؤرخین اور سیرت نگاروں نے اپنی اپنی مرتب کردہ

فہرستوں میں آپ کا اسم گرامی نمایاں طور پر شامل کیا ہے، اِن فہرستوں میں سبقت اسلام کے حوالے سے صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ترتیب پر اگرچہ مؤرخین میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے مگر یہ بحث ہمارے موضوع سے باہر ہے، ہمارا موضوع تو یہ ہے کہ آیا ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نامی السابقون الاولین کی فہرست میں شامل ہے یا نہیں؟ اور اگر شامل ہے تو ترتیب کے لحاظ سے کس نمبر پر ہے؟ اور اس سوال کا جواب کتب تواریخ میں جگمگاتی وہ فہرستیں ہیں جو مؤرخین اسلام نے مرتب کی ہیں اور اِن تمام ہی فہرستوں میں ام المومنین کا اسم گرامی موجود ہے.....

اس حوالے سے سب سے پہلے میں مستند کتابوں کی عرق ریزی کے بعد اُن عظیم ہستیوں کا حوالہ دینا چاہوں گا جنہوں نے ابتداء میں داعی اسلام کی پکار پر لبیک کہا:

1) سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
2) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
3) سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
4) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
5) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ
6) سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
7) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ
8) حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
9) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
10) حضرت لبابہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا
11) حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
12) حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
13) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
14) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ
15) حضرت ارقم بن الارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
16) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
17) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
18) حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ
19) حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
20) حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
21) حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا
22) حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ
23) حضرت ابواحمد بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ
24) حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

25) حضرت مطلب بن ازہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
26) حضرت رملہ بنت ابی عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہا
27) حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
28) حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا
29) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
30) حضرت عباس بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ
31) حضرت اسماء بنت سلامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
32) حضرت مسعود بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
33) حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
34) حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
35) حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
36) حضرت حاطب بن الحارث رضی اللہ عنہ
37) حضرت فاطمہ بنت محلل رضی اللہ تعالیٰ عنہا
38) حضرت خطاب بن الحارث رضی اللہ عنہ
39) حضرت فکیہہ بنت یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہا
40) حضرت معمر بن الحارثؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ
41) حضرت نعیم بن عبداللہ العدوی رضی اللہ عنہ
42) حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
43) حضرت امیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
44) حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
45) حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
46) حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
47) حضرت خالد بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ
48) حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
49) حضرت عاقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
50) حضرت ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
51) حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
52) حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
53) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
54) حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
55) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
56) حضرت سمیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
57) حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
58) حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
59) حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
60) حضرت لُبینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
61) حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
62) حضرت نہدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
63) حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
64) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

السابقون الاولون کے حوالے سے اگرچہ یہ کافی جامع فہرست ہے مگر اس میں اُس ترتیب کو پیش نظر نہیں رکھا گیا جس ترتیب سے یہ جلیل القدر ہستیاں ایمان لائیں، مثال کے طور پر اس میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی 29 ویں نمبر پر ہے حالانکہ زیادہ تر مؤرخین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اسلام میں ابتدائی طور پر داخل ہونے والے افراد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نمبر سترہ سے لے کر بیسواں تھا، یہاں طوالت کے پیش نظر صرف اُن ابتدائی 20 افراد کی فہرست پیش کرنا چاہوں گا سبقت اسلام کے حوالے سے جن کی ترتیب پر زیادہ تر مؤرخین کا اتفاق ہے اور ان بابرکت نفوس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام 20 ویں نمبر پر ہے:

1) سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
2) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
3) سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
4) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
5) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
6) حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
7) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
8) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
9) حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
10) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
11) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
12) حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
13) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
14) حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ
15) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ
16) حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ
17) حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
18) حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
19) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا
20) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ وہ ترتیب ہے جو زیادہ تر مؤرخین کے نزدیک مسلمہ ہے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبول اسلام کے حوالے سے مؤرخین میں جو تھوڑا بہت اختلاف رائے پایا جاتا ہے وہ فقط اتنا ہے کہ بعض

کے نزدیک آپ کا نمبر بیسواں ہے، بعض کے نزدیک انیسواں، بعض کے نزدیک اٹھارواں اور بعض کے نزدیک سترہواں ہے اور بعض نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آپ وہ دسویں شخصیت تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا، یہاں ریکارڈ کی درستگی کے پیش نظر بعض سیرت نگاروں کی رائے پیش کی جاتی ہے:

☆علامہ ابن اسحاق علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام لانے والی اٹھارویں فرد تھیں (کتاب السیر والمغازی)

☆حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام لانے والی اٹھارویں فرد تھیں (سیرۃ النبویہ)

☆علامہ ابن ہشام کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نمبر انیسواں ہے (سیرت ابن ہشام)

☆محدث عبدالرحمٰن سہیلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام لانے والی بیسویں ہستی تھیں (روض الانف)

☆حکیم عبدالرؤف داناپوری نے سابقین اسلام کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے جس میں سترہویں نمبر پرام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کیا ہے (اَصح السیر)

☆السابقون الاولون کی ایک فہرست علامہ ابوالنصر نے رقم کی ہے جس کے مطابق اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نمبر نواں ہے، اگرچہ اس مقام پر اُنہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن چونکہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں بہنیں ایک ہی وقت میں ایمان لائی ہیں اس لیے اس ترتیب کی رو سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نمبر دسواں ٹھہرتا ہے (حیات سید العرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

☆علامہ ابن اسحاق کی طرح زرقانی نے ''شرح مواہب اللدنیہ'' میں، علامہ ابن سید الناس نے ''ایوان

الاطہر" میں اور ابو موسیٰ کلائی نے اپنی مرتب کردہ کتاب سیرت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ابتدائی میں مشرف بہ اسلام ہونے کا ذکر کیا ہے.....

یہ تمام تفصیل جو آپ نے ملاحظہ کی اس کا مقصد آپ کو صرف یہ باور کرانا تھا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شمار قدیم الاسلام ہستیوں میں ہوتا ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ گویا آپ شروع ہی سے مسلمان تھیں، ایک طرف تو آپ کا سالِ ولادت ہی ۴ یا ۵ نبوی بتایا جاتا ہے او دوسری طرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اسلام قبول کرنے والی دسویں یا سترہویں یا اٹھارویں یا انیسویں یا بیسویں ہستی ہیں اور ظاہر ہے قبول اسلام ایسی صورت میں ہی کیا ہوگا کہ جب آپ کو کفر و اسلام کو سمجھنے کا شعور حاصل تھا۔

سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، علامہ ابن کثیر، علامہ زرقانی اور دیگر کی روایات اور ان کے بیانات کی رُو سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یقیناً اعلان نبوت کے پہلے برس ایمان لائیں اور اس وقت اُن کی عمر اس قابل تھی کہ وہ مکلّف بالایمان بھی تھیں تب ہی تو سیرت نگاروں نے یہ التزام کیا کہ اُن کے ایمان کا ذکر بھی کیا جانا چاہیے اور عمر مکلّف لگ بھگ پندرہ برس بنتی ہے اگر اس حساب سے دیکھا جائے تو رخصتی کے وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر انیس یا بیس برس نہیں بلکہ انتیس یا تیس برس قرار پاتی ہے، ہوسکتا ہے یہ دلیل بعض کو آسانی سے ہضم نہ ہو کہ کہاں 9 برس والی روایت اور کہاں 29 برس کی دلیل!!..... مگر یہ لوگ اُس استدلال کو کس طرح رد کریں گے جو مؤرخین نے نہایت وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے چالیسویں فرد ہیں اور آپ اعلان نبوت کے پہلے برس ایمان لائے جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تبلیغ اسلام کے ابتدائی ایام میں ہی دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکی تھیں اور آپ کا نمبر بیسواں تھا، آپ نے جب دین اسلام میں شمولیت اختیار کی ہوگی تو اُس وقت آپ کی عمر لامحالہ چار یا پانچ برس تو ضرور رہی ہوگی لہٰذا ثابت ہوا کہ ہجرت مدینہ کے وقت آپ کی عمر کم از کم سترہ یا اٹھارہ برس تھی اور آپ کی رخصتی ہجرت کے بعد عمل میں آئی جبکہ آپ عمر عزیز کے انیسویں یا بیسویں سال میں قدم رکھ چکی تھیں.....

روایات اہمیت کے قابل نہیں ہوتیں:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس قدر علمی استفادہ کیا، ایک کم سن لڑکی سے اس کا صدور ہونا ممکن نہیں، مرویات میں آپ کا نمبر ساتواں ہے، آپ سے دو ہزار سے زائد احادیث مروی ہیں جنہیں محدثین کرام نے سینے سے لگایا اور اپنے مرتب کردہ مجموعہ احادیث میں مسند عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عنوان سے باقاعدہ ابواب قائم کیے ہیں اگر فی الواقع یہ روایات کسی کم سن لڑکی کی سند سے مروی ہوتیں تو کیا اُن کا پایۂ استناد یہ ہی ہوتا جو اَب ہے، کیا ان کی سند مشکوک نہ ہو جاتی؟؟

تاریخ اسلام کے ابتدائی واقعات میں سے تو بیشتر آپ کی روایت سے ہی امت تک پہنچے ہیں، واقعۂ ہجرت، غزوات، معجزات اور دیگر معاملات کی جزئیات کو جس طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا ہے کیا وہ کسی کم سن بچی کا کارنامہ ہو سکتا ہے؟؟

سب جانتے ہیں کہ سنجیدہ موضوعات پر چار پانچ سالہ بچوں کی رائے کو کبھی اور کہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تو پھر تاریخ اسلام کے اتنے اہم واقعات پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رائے کیوں دی اور آپ کا نام راویان کرام میں کیوں شامل کیا گیا؟؟

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیان کردہ واقعات میں بعض ایسے واقعات بھی شامل ہیں جب آپ کا نکاح بھی نہیں ہوا تھا، حالانکہ یہ ایسے واقعات ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ جھوم جھوم کر یہ بتاتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اتنی کم سن تھیں کہ محلے کی بچیوں کو بلا کر گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں، اگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُس وقت واقعی اتنی کم عمر تھیں تو اتنے سنجیدہ اور تحقیق موضوعات پر رائے کیوں دی اور اس میں دلچسپی کیوں لی؟؟

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات اُس وقت پیش آئے کہ جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھیں اور آپ میں شعور بلوغت نمایاں ہو چکا تھا، آپ کی عقلی فراست کی وجہ سے ان واقعات پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے کو بھی شامل کر لیا گیا.....

استدلال نمبر 20..... اس روایت کی تائید سے ہماری فقہی بنیادوں کو نا قابل تلافی ضرر پہنچتا ہے:

اگر ایک طرف ہم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم سنی میں شادی کو تسلیم کریں اور دوسری طرف آپ کی علمی فضیلتوں کو بیان کریں تو یہاں ایک تضاد جنم لیتا ہے اور وہ یہ کہ اگر آپ کو بوقت رخصتی نابالغ تسلیم کر لیا جائے تو کیا آپ کی بیان کردہ روایات اور اُن سے طے پا جانے والے فقہی امور کی وہ قرار واقعی حیثیت اور سند باقی رہتی ہے، جس پر فقہ اسلامی کے نصف کا دارومدار ہے؟؟

☆ کیا صحابہ کرام اور تابعین عظام ایک کم سن لڑکی سے علم دین سیکھنے تشریف لایا کرتے تھے؟؟

☆ فقہی مسائل کے استنباط میں آپ کو جو بلند مقام حاصل تھا کیا کم سنی میں حاصل ہو سکتا تھا؟؟

☆ امام مالک علیہ الرحمہ اور امام محمد شیبانی علیہ الرحمہ (شاگرد امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ) نے فقہی مسائل میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی روایتوں پر انحصار کیا ہے، جس سے مالکی و حنفی فقہ کو جو قبولیت عام حاصل ہوئی وہ محتاجِ بیان نہیں، کیا اِن بزرگوں نے ایک کم سن لڑکی کی مرویات پر اپنی فقہ کی بنیاد رکھی؟؟

حقیقت تو یہ ہے کہ جب عالم اسلام کے ایک بڑے طبقے نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی روایات کو فقہ اسلامی میں بنیاد کی حیثیت سے تسلیم کر لیا تو مخالفین نے یہ استہزاء اڑانا شروع کر دیا کہ صاحب جس لڑکی نے گڑیائیں کھیل کر وقت گزارا ہو وہ دین کو کیا سمجھے گی؟؟ (معاذ اللہ)

اگر ان حقائق کے باوجود ہم اس پر اڑے رہتے ہیں کہ شادی کے وقت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا 9 برس کی تھیں تو اس سے ہماری فقہی بنیادوں کو ایسا نا قابل تلافی نقصان پہنچتا ہے، جس کا ازالہ ممکن نہیں ہو سکے گا.....

استدلال نمبر 21 ..... مشرکین اور منافقین کا عمومی رویہ بھی اس روایت کی تائید نہیں کرتا:

اگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا ہوتا جو کہ اُس معاشرے کے رسم و رواج کے بالکل خلاف تھا تو مسلمان نہ سہی کفار مکہ تو اس پر ضرور اعتراض کرتے جیسا کہ انہوں نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح پر کیا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کر لی ہے اور قرآن مجید کو اس کا جواب دینا پڑا تھا کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ اور بیوہ سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ پورے مکے میں اس کے بارے میں کوئی آواز نہ اٹھی حالانکہ اُس وقت اہل مکہ کی جانب سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت اپنے پورے نقطۂ عروج پر تھی اور وہ آپ کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تھے جس کی مثال نہیں ملتی.....

کفار مکہ نہیں تو مدینے کے منافقین تو اعتراض کرتے جو کہ ہر وقت اِس طرح کی خبروں کے منتظر رہتے تھے جس سے شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرف آئے، حالانکہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض حکمتوں کے تحت نے اپنی ازواج سے چند روز کے لیے علیحدگی اختیار کی تھی تو اِن منافقین نے مدینے میں طوفان برپا کر دیا تھا، واقعہ افک کے موقع پر بھی اِنہوں نے آسمان سر پہ اٹھا لیا تھا مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کم سن لڑکی سے نکاح کو وہ خاموشی سے برداشت کر لیتے کیا ایسا ممکن تھا؟؟

اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آتا تو اُس دور کے مخالفین اسلام اور دشمنان رسول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انگشت نمائی ضرور کرتے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ مخالفین اسلام کی جانب سے کوئی اعتراض ظہور میں نہیں آیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی ایسا فعل سرزد ہی نہیں ہوا جو کسی دشمن کو انگشت نمائی کا موقع فراہم کرتا

استدلال نمبر 22..... سورۂ قمر کے شانِ نزول پر ام المومنین کا تبصرہ بھی آپ کی پختہ عمری کا مظہر ہے:

امام بخاری علیہ الرحمہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (سورۃ القمر، آیت 46)

تو میں اُس وقت چھوٹی تھی اور کھیلتی پھرا کرتی تھی، اُس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی اور وہ مجھے یاد ہوگئی (صحیح بخاری)

یہ آیت سورۃ القمر کی ہے اور سورۃ القمر کا نزول ہجرتِ مدینہ سے پانچ سال قبل ہوا، مفسرین کا بیان ہے کہ یہ سورت اعلان نبوت کے ساتویں یا آٹھویں برس میں نازل ہوئی ہے، یہ وہ سورت ہے کہ شق القمر کے معجزے کی وجہ سے جس کے بڑے چرچے رہے تھے کہ چاند شق ہوا یا نہیں؟ اُس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اتنی سمجھ تھی کہ وہ آیت یاد کر کے پڑھا کرتی تھیں، اگر آپ نکاح کے وقت (جو اعلانِ نبوت کے دسویں، بارہویں یا پھر تیرہویں برس میں ہوا) چھ سال کی تھیں تو سورۃ القمر کے نزول کے وقت آپ کی عمر محض تین یا چار برس ہوگی، کیا یہ ایسی عمر ہے کہ کوئی کم سن بچہ اس سورۃ کو مکمل طور پر یاد بھی کر لے اور اُس کے شان نزول سے بھی پوری طرح واقف ہو جبکہ ہشام بن عروہ متعدد روایات سے یہ ہی غلط نتیجہ اخذ کرتا دکھائی دیتا ہے؟؟ حالانکہ اس روایت کی رُو سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس وقت سورۃ القمر کا نزول ہوا اُس وقت تک آپ کی عمر پختہ ہو چکی تھی.....

دوسری بات یہ کہ یہ بھی صحیح بخاری ہی کی حدیث ہے، یہاں دو روایات کے مابین سند اور سنین کے اعتبار سے تضاد اور ابہام پیدا ہو گیا، اب ہمیں لامحالہ دو میں سے ایک روایت قبول کرنی پڑے تو پھر کیا ہم مفادِ اُمہ کے پیشِ نظر حق بجانب نہیں کہ اس روایت کو قبول کر لیں اور کم سنی والی روایت کو نظر انداز کر دیں

استدلال نمبر 23.....ام المومنین کی علم انساب اور تاریخ وادب

میں مہارت پختہ عمری کی دلیل ہے:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علم انساب کی ماہر تھیں جو اُن کے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص فن تھا، ام المومنین کو عہد جاہلیت کے بھی بہت سے اشعار بخوبی یاد تھے جنہیں آپ برمحل استعمال بھی کیا کرتی تھیں، چلیے مان لیا کہ تاریخ اسلام کے متعلق تو آپ کی معلومات ذاتی مشاہدات پر مبنی تھیں لیکن عرب جاہلیت کے حالات آپ نے کس سے سنے؟؟

علم انساب وادب میں مہارت اور عہد جاہلیت کی تاریخ عرب سے واقفیت کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو اپنے والد سے بھرپور تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا ہو، اگر وہ اپنے والد کے گھر زیادہ عرصے مقیم نہیں رہیں اور بچپن ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر تشریف لے آئیں تو پھر علم انساب و ادب میں اُنہیں یہ مہارت کس طرح حاصل ہوئی؟؟

شعروادب، تاریخ اور انساب کے متعلق ام المومنین کے جو اقوال کتب احادیث میں منقول ہیں اور جن کے بارے میں مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے دور کی سب سے بڑی محدثہ، سب سے بڑی فقیہہ، سب سے بڑی مفسرہ، سب سے بڑی ادیبہ، سب سے بڑی خطیبہ، سب سے بڑی مؤرخہ اور سب سے بڑی ماہر الانساب تھیں، اُن کے اس علم وفن پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ پُرکاری دکھائی گئی کہ رخصتی کے وقت بعض راویوں نے اُن کے ہاتھوں میں گڑیائیں تھمائیں اور کچھ اس طرح تسلسل کے ساتھ تھمائیں کہ وہ ان کی زندگی کا ایک لازمی جزو بن گئیں.....

سچی بات تو یہ ہے کہ قولِ ہشام سچ نہیں کیونکہ ام المومنین کا ادب، تاریخ، علم الانساب، محاوراتِ عرب اور خطابت جیسے اہم مضامین پر نو سال کی عمر میں مہارت حاصل کر لینا بعید از عقل ہے.....

صحیح بخاری میں امام بخاری علیہ الرحمہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سند سے ایک ایسی روایت درج کی ہے جو ام المومنین کے غیر معمولی حافظے کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی شہادت دیتی نظر آتی ہے کہ حبشہ کی جانب مسلمانوں کی اولین ہجرت کے وقت آپ بالغ العمر بھی تھیں اور بالغ النظر بھی تھیں اسی لیے کہ آپ نے اُس واقعے کو اُس کی مکمل جزئیات کے ساتھ جس طرح تفصیلاً بیان کیا ہے وہ ہرگز کسی کم سن لڑکی کا کارنامہ نہیں ہوسکتا.....

روایت چونکہ بہت طویل ہے اور اُس کا مکمل متن و ترجمہ یہاں نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے (تفصیل صحیح بخاری کی کتاب ہجرت میں دیکھی جاسکتی ہے) لہٰذا اِس روایت کا وہ حصہ درج کیا جارہا ہے جو عمر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کے مسئلے کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنے والدین کو دین سے مزین پایا اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح وشام دونوں وقت ہمارے ہاں تشریف نہ لاتے ہوں، پھر جب مسلمانوں کو ستایا جانے لگا تو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہجرت کے ارادے سے ارض حبشہ کی طرف چل دیے، حتیٰ کہ مقام برک الغماد پہنچے تو قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی، اُنہوں نے پوچھا: اے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اب زمین کی سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں، ابن الدغنہ نے کہا کہ تم جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جاسکتا ہے، تم حاجت مند کی مدد کرتے ہو، رشتے داروں سے نیک سلوک کرتے ہو، بے کسوں کی کفالت کرتے ہو، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہو اور دوسروں کے لیے راہ حق میں تکلیف اٹھاتے ہو، لہٰذا میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں، چلو لوٹ چلو اور اپنے وطن میں رہ کر

اپنے رب کی عبادت کرو، چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن الدغنہ کے ساتھ واپس آئے.....

ابن الدغنہ شام کے وقت اشرافِ قریش کے پاس گئے اور کہا کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا آدمی نہ خود مجبور ہو کر نکلتا ہے اور نہ اس جیسی ہستی کو نکالا جا سکتا ہے، کیا تم ایسے شخص کو نکال رہے ہو جو ناداروں کی مدد کرتا ہے، رشتے داروں کے ساتھ سلوک کرتا ہے، گرے ہوؤں کو اٹھاتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور حق کی اعانت کرتا ہے، قریش نے ابن الدغنہ کی اس امان کو رد نہیں کیا لیکن انہوں نے ابن الدغنہ سے کہا کہ جاؤ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کرے اور اپنے گھر میں نماز پڑھے اور جو چاہے اپنے گھر میں پڑھے لیکن ہمیں تکلیف نہ دے، اپنی نماز کا اعلان نہ کرے اور اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور قرأت نہ کرے.....

ابن الدغنہ نے یہ سارا ماجرا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا کر بتایا تو اُن کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالیں، لہٰذا انہوں نے صحنِ خانہ میں مسجد بنالی اور اس میں نماز اور قرآن پڑھنے لگے، مشرکین کے بچے اور عورتیں اس پر حیرت کا اظہار کرتیں اور اس عمل کو غور سے دیکھتیں اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے شخص تھے کہ جب قرآن پڑھتے تو ان کے آنسو بہنے لگتے

اشرافِ قریش اس صورت حال سے گھبرا اٹھے، انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا، وہ اُن کے پاس آئے تو انہوں نے شکایت کی کہ ہم نے تیری امان کے باعث ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پابند کیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے لیکن اُنہوں نے عہد سے تجاوز کرتے ہوئے گھر کے صحن میں مسجد بنا ڈالی اور نماز میں بلند آواز سے قرأت کرنے لگے، ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے اس سے متاثر نہ ہو جائیں لہٰذا اُنہیں اس کام سے روکو، اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ پسند ہے کہ وہ اپنے گھر میں عبادت کرتے رہیں تو ٹھیک ہے، اگر وہ اعلانیہ یہ کام کرتے ہیں تو وہ تیری امان واپس کر دیں، ہمیں یہ اچھا نہیں لگتا کہ تیری امان توڑ دیں لیکن ہم ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعلانیہ قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دیں گے.....

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ابن الدغنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ قریش نے جس چیز پر تم سے عہد کیا تھا اگر تم اس عہد تک رہتے ہو تو میرا ذمہ اور عہد باقی ہے ورنہ میری ذمے داری واپس کردو، مجھے یہ بات قطعاً پسند نہیں کہ عرب یہ بات سنیں کہ میں نے جس شخص کا ذمہ لیا تھا اُس سے میں نے اپنا ذمہ واپس لے لیا ہے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا میں تیرا ذمہ واپس کرتا ہوں اور میں اللہ کی ذمے داری پر راضی ہوں (صحیح بخاری)

اس روایت میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اعلانِ نبوت کے ابتدائی برسوں سے ہجرت حبشہ تک کی صورت حال کو اِن دو جملوں میں ادا فرمایا ہے کہ جب سے مجھے عقل آئی تب سے میں نے اپنے والدین کو اسلام پر پایا اور یہ دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ صبح و شام ہمارے گھر تشریف لاتے اور اپنے عقل و ہوش کا وہ دوسرا حصہ جسے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا مصائب کا دور فرما رہی ہیں، دراصل وہ دور ہے کہ جس کے باعث مسلمان ہجرت حبشہ پر مجبور ہوئے اور پھر ام المومنین نے اس دور میں اپنے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرتِ حبشہ کی پوری کیفیت اور اس کا انجام بیان کیا ہے، اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حبشہ کی جانب ہجرت کی اور راستے میں ابن الدغنہ کی وجہ سے واپس لوٹ آئے اُس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اتنے شعور کو پہنچ چکی تھیں کہ کفر و اسلام کا فرق جانتی تھیں.....

حبشہ کی جانب اولین ہجرت کا واقعہ اعلان نبوت کے پانچویں برس پیش آیا اور اس موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حبشہ روانہ ہونے کا ارادہ کیا تھا لیکن ابن الدغنہ کی حمایت پر واپس آ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر صبح شام آنے جانے کا معمول یقیناً اعلان نبوت کے پانچویں برس سے پہلے کا ہے یعنی اعلان نبوت کے پانچویں برس سے قبل ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اتنے شعور کو پہنچ چکی تھیں کہ کفر و اسلام کا فرق جانتی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روزانہ دو مرتبہ آمد، مسلمانوں کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ستائے جانے،

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابن الدغنہ سے ملاقات و گفتگو اور اس کی حمایت میں واپسی کا گہرا مشاہدہ اُن کی نظر میں تھا، اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعلان نبوت کے چوتھے برس میں پیدا ہوئی ہوتیں تو ان کو شعور سنبھالنے میں بھی کم از کم پانچ سال کا عرصہ لگتا یعنی اعلان نبوت کا نواں برس ہوتا لیکن اس کے برعکس آپ اعلان نبوت کے پانچویں برس اور اُس سے قبل کے واقعات مشاہداتی انداز میں بیان فرما رہی ہیں، اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ آپ اتنا شعور رکھتی تھیں کہ ان معاملات کو سمجھ سکیں.....

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشہ کے لیے ہجرت کا ارادہ کب کیا اس کے متعلق شاہ معین الدین احمد ندوی اپنی کتاب ''خلفائے راشدین'' میں رقم طراز ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے جاں نثاروں کو مصائب میں مبتلا پایا تو اُنہیں حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی اور بہت سے مسلمان حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وجاہت ذاتی اور اعزاز خاندانی کے باوجود اِس داروگیر سے محفوظ نہ تھے چنانچہ جب حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا نوفل بن خویلد نے ان دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے نے کچھ حمایت نہ کی، ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لی اور رختِ سفر باندھ کر عازمِ حبشہ ہوئے، جب آپ مقام برک الغماد میں پہنچے تو ابن الدغنہ رئیسِ قارہ سے ملاقات ہوئی چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ دوبارہ مکے میں تشریف لے آئے (خلفائے راشدین)

شاہ معین الدین ندوی نے اس واقعے میں طبقات ابن سعد کا حوالہ بھی دیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حبشہ کی اولین ہجرت یعنی اعلان نبوت کے پانچویں برس ہی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حبشہ کے لیے روانہ ہوئے تھے اور ابن الدغنہ کے امان دینے پر برک الغماد سے لوٹ کر واپس آ گئے تھے، اس صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ روایت حالتِ شعور میں بیان کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یومیہ آمد کا جو ذکر کیا ہے یہ اعلان نبوت کے پانچویں برس

سے بھی پہلے کے واقعات ہیں اور عہد اسلامی کی ابتدائی روایات میں شامل ہیں جنہیں تفصیل کے ساتھ بیان کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اُس وقت ام المومنین شعور کی عمر تک پہنچ چکی تھیں.....

استدلال نمبر 25.....عہد جاہلیت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادیاں بھی حقائق کو واضح کرتی ہیں:

مؤرخ ابن جریر طبری نے اپنی مشہور عالم کتاب ''تاریخ طبری'' میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ازواج کا تذکرہ کیا ہے، اس تذکرے کے آخر میں ایک جملہ ایسا ہے جو یہ واضح کرتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت اعلان نبوت سے پہلے ہوئی تھی.....

امام طبری لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو شادیاں کی تھیں، آپ کی پہلی زوجہ کا نام قتیلہ بنت العزیٰ تھا جن کے بطن سے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جنم لیا اور دوسری زوجہ حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جن کی کوکھ سے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئے اور یہ چاروں بہن بھائی بعثت نبوی سے پہلے پیدا ہوئے تھے (تاریخ طبری)

طبری کی اس روایت سے یہ تو بالکل واضح ہو گیا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعلان نبوت سے قبل دنیا میں تشریف لائیں مگر کتنے برس پہلے آپ کی تشریف آوری ہوئی یہ سوال حل طلب ہے.....

اگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش کو اعلانِ نبوت سے ایک سال پہلے بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی نکاح کے وقت اُن کی عمر سولہ یا سترہ برس اور رخصتی کے وقت انیس یا بیس برس بنتی اور اُس قول کی نفی کرتی ہے کہ آپ کا نکاح چھ برس اور رخصتی نو برس کی عمر میں ہوئی.....

استدلال نمبر 26..... سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹی کی کم عمری کو جواز نہیں بنایا:

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے باب میں آپ نے یقیناً وہ مکالمہ بھی پڑھا ہوگا جو حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مابین ہوا، سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو سرے سے ہی اس رشتے پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا بلکہ خوشی ہی کا اظہار کیا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کوئی عذر پیش کیا تو وہ یہ کیا کہ عائشہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھتیجی ہے اگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نابالغ ہوتیں تو حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے استفسار پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ سکتے تھے کہ میری بیٹی تو کم سن اور نابالغ ہے مگر انہوں نے حیرت کا اظہار تو کیا مگر اس بات پر کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھتیجی ہے تو کیا یہ رشتہ جائز ہے؟ دراصل عرب میں دستور تھا کہ وہ منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپس میں بھائی تھے اس لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشویش ہوئی جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہہ کر دور فرما دیا کہ:

اَنْتَ اَخِی فِی الْاِسْلَامِ (تم میرے صرف اسلامی بھائی ہو)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب سنا تو یہ ہی فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو پھر اس رشتے پر مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے، اس موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم سنی کو جواز نہ بنا کر شادی کے لیے اُن کی رضامندی دراصل اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اُس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بالغہ و عاقلہ تھیں.....

استدلال نمبر 27......جبیر بن ...م کا ام ...ین کے کی

توڑنے کا جواز بھی ایک شہادت ہے:

سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی عظیم الشان ہستی کے ساتھ اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نہایت سعادت کی بات تھی مگر اب اس حوالے سے جو رکاوٹ حائل تھی وہ یہ تھی کہ وہ اس سے پہلے مکے کے رئیس مطعم بن عدی کے فرزند جبیر بن مطعم سے اپنی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات طے کر چکے تھے، مطعم کا گھرانہ اگرچہ ابھی دولت اسلام سے بہرہ ور نہیں ہوا تھا اور اس وجہ سے بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں رشتہ کرنے کے خواہاں نہ تھے، اُدھر مطعم کے گھر والے بھی ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے اور ایک مسلمان گھرانے کی لڑکی اپنے گھر میں لانے سے ہچکچا رہے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ عہد کے بہت پابند تھے اور آپ کے نزدیک وعدہ خلافی ایک جرم کے مترادف تھی، چنانچہ آپ اپنے ارادے سے اُن کو آگاہ کرنے کے لیے مطعم بن عدی کے گھر تشریف لے گئے اور اُس کی بیوی کی موجودگی میں اُس سے پوچھا کہ اس رشتے کے بارے میں آخری بات بتادو، آپ کی یہ بات سن کر مطعم تو کچھ نہ بولا، مگر اُس کی بیوی نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں کہا کہ ہمیں اِس بات کا خوف ہے کہ اگر تمہاری لڑکی ہمارے میں گھر میں آجائے گی تو ہمارا لڑکا بے دین ہو جائے گا (معاذ اللہ) اس وجہ سے بھی ہم اس رشتے کی تکمیل سے ڈر رہے ہیں، مطعم کی بیوی کا یہ جواب سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطعم کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہاری اِس بارے میں کیا رائے ہے؟ تو مطعم نے جواب دیا کہ میری بیوی ٹھیک کہہ رہی ہے، ہمیں تم سے اور تمہاری بیٹی سے یہ ہی اندیشہ ہے، یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے چلے آئے (تاریخ طبری)

طبری کی اس روایت سے یہ اہم امر سامنے آتا ہے کہ اُس وقت تک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ

استدلال نمبر 27......جبیر بن مطعم کا ام المومنین سے منگنی توڑنے کا جواز بھی ایک شہادت ہے:

سیدالعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی عظیم الشان ہستی کے ساتھ اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نہایت سعادت کی بات تھی مگر اب اس حوالے سے جو رکاوٹ حائل تھی وہ یہ تھی کہ وہ اس سے پہلے مکے کے رئیس مطعم بن عدی کے فرزند جبیر بن مطعم سے اپنی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات طے کر چکے تھے، مطعم کا گھرانہ اگرچہ ابھی دولت اسلام سے بہرہ ور نہیں ہوا تھا اور اس وجہ سے بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں رشتہ کرنے کے خواہاں نہ تھے، اُدھر مطعم کے گھر والے بھی ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے اور ایک مسلمان گھرانے کی لڑکی اپنے گھر میں لانے سے ہچکچا رہے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ عہد کے بہت پابند تھے اور آپ کے نزدیک وعدہ خلافی ایک جرم کے مترادف تھی، چنانچہ آپ اپنے ارادے سے اُن کو آگاہ کرنے کے لیے مطعم بن عدی کے گھر تشریف لے گئے اور اُس کی بیوی کی موجودگی میں اُس سے پوچھا کہ اس رشتے کے بارے میں آخری بات بتا دو، آپ کی یہ بات سن کر مطعم تو کچھ نہ بولا، مگر اُس کی بیوی نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں کہا کہ ہمیں اِس بات کا خوف ہے کہ اگر تمہاری لڑکی ہمارے میں گھر میں آ جائے گی تو ہمارا لڑکا بے دین ہو جائے گا (معاذ اللہ) اس وجہ سے بھی ہم اس رشتے کی تکمیل سے ڈر رہے ہیں، مطعم کی بیوی کا یہ جواب سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطعم کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہاری اِس بارے میں کیا رائے ہے؟ تو مطعم نے جواب دیا کہ میری بیوی ٹھیک کہہ رہی ہے، ہمیں تم سے اور تمہاری بیٹی سے یہ ہی اندیشہ ہے، یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے چلے آئے (تاریخ طبری)

طبری کی اس روایت سے یہ اہم امر سامنے آتا ہے کہ اُس وقت تک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا نہ صرف یہ کہ عاقلہ و بالغہ تھیں بلکہ تبلیغ اسلام میں بھی مشہور ہو گئی تھیں تب ہی تو مطعم کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی اس کے بیٹے کو مسلمان کر دے گی، اگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر اُس وقت چھ برس ہوتی جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تو کیا ایک چھ سالہ بچی سے مطعم اور اُس کی بیوی کو یہ اندیشہ لاحق ہو سکتا تھا کہ وہ اُن کے جواں سال بیٹے کو تبلیغ کر کے مسلمان کر لے گی، اگر بچی کی عمر اتنی ہی کم تھی تو پھر یہ تشویش تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہونا چاہیے تھی کہ کہ ایک بے دین گھرانے میں جا کر کہیں یہ بچی جس کا ذہن ابھی کچا ہے، بے دین نہ ہو جائے مگر آپ کو ایسا کوئی اندیشہ لاحق نہ تھا جو اس امر کا اظہار ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُس وقت اپنی پختگی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں.....

استدلال نمبر 28.....ام المومنین کے سالِ ولادت و نکاح سے متعلق متضاد روایات بھی معاملے کو واضح کرتی ہیں:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سالِ ولادت اور سالِ نکاح و رخصتی کے درست تعین کے لیے جب میں نے کتب تواریخ کی ورق گردانی کی تو یہ بات میرے علم میں آئی کہ اس حوالے سے مؤرخین کی آراء میں واضح تضادات موجود ہیں:

☆ علامہ سلیمان ندوی کے بقول آپ کی ولادت اعلانِ نبوت کے پانچویں برس کے آخری حصے میں یعنی شوال ۹ ہجری بمطابق جولائی 614 عیسوی میں ہوئی (سیرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

☆ علامہ ابن سعد کا کہنا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبوت کے چوتھے سال کی ابتدا میں پیدا ہوئیں (طبقات ابن سعد)

☆ علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش اعلان نبوت سے قبل

ہوئی (تاریخ طبری)

☆ حکیم نیاز احمد لکھتے ہیں کہ سن ایک نبوی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہو چکی تھیں لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کی پیدائش ۴ یا ۵ نبوی میں ہوئی وہ سراسر غلط ہے (تحقیق عمر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

☆ مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے آپ کا سن ولادت ۱۴ برس قبل ہجری لکھا ہے (تقویم تاریخی)

سال ولادت کی طرح آپ کے نکاح و رخصتی کے سنین میں بھی مؤرخین کے مابین خاصا اختلاف موجود ہے.....

☆ علامہ سلیمان ندوی کے بقول آپ کا نکاح ہجرت سے دو سال قبل چھ برس کی عمر میں اور رخصتی شوال یکم ہجری میں نو برس کی عمر میں ہوئی (سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

☆ علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح سن ہجرت سے دو برس پہلے اور کہا جاتا ہے کہ تین برس پہلے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کہیں ڈیڑھ برس پہلے ہوا تھا (عمدۃ القاری)

☆ علامہ ابن عبدالبر علیہ الرحمہ نے زبیر بن بکار کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کا نکاح ہجرت سے تین برس قبل اور رخصتی ہجرت کے اٹھارہ مہینے بعد ہوئی (کتاب الاستیعاب)

☆ علامہ بدرالدین عینی نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کی رخصتی غزوۂ بدر کے بعد ۲ھ میں ہوئی (عمدۃ القاری)

ام المومنین کے سال ولادت اور سالِ نکاح و رخصتی کے حوالے سے مؤرخین کے مابین پائے جانے والے ان اختلافات کی موجودگی میں اس روایت کی حیثیت کسی مفروضے سے زیادہ باقی نہیں رہتی کہ آپ نو سال کی عمر میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں.....

استدلال نمبر 29.....ام المومنین کی رخصتی سے متعلق یہ روایت بھی ایک دلیل کی حیثیت رکھتی ہے:

علامہ ابن سعد نے طبقات میں واقدی کی سند سے حضرت عمرۃ بنت عبدالرحمٰن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے ام المومنین سے دریافت کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو کب رخصت کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہجرت کے بعد جب میں اپنے گھر والوں کے ساتھ مدینہ پہنچی تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان مسجد کے گھروں میں اترا اور اس وقت وہ لوگ مسجد اور اس کے گرد حجرے بنوا رہے تھے پس ہم کچھ دن اُس گھر میں ٹھہرے جس کا انتظام پہلے سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کر رکھا تھا، کچھ عرصے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس بات کی رکاوٹ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیوی کو رخصت نہیں کراتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا مہر کی رکاوٹ ہے، تو یہ سن کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارہ اوقیہ اور کچھ نُش عنایت فرمائے (یعنی پانچ سو درہم اور کچھ اوپر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ہی بطور مہر ہمارے پاس روانہ کر دیے تو میری رخصتی اُسی گھر میں ہوئی جس میں اب میں ہوں (طبقات ابن سعد)

علامہ ابن سعد کی اس روایت سے یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد اگر ام المومنین صرف آٹھ نو سال کی ہوتیں تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ نہ کہتے کہ آپ اپنی بیوی کو رخصت کرا لیجیے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز یہ جواب نہ دیتے کہ مہر کی رکاوٹ ہے بلکہ فرماتے جلدی کیا ہے وہ تو ابھی بچی ہیں، لیکن اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ مہر کی کمی ہے پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہر کی رقم بھی خود ہی بھیج دی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رخصت کرا لیا، اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ مہر کے علاوہ رخصتی میں اور کوئی رکاوٹ نہ تھی.....

استدلال نمبر 30..... ہجرت مدینہ کے بعد والد کی تیمارداری بھی آپ کی بالغ عمری کو ظاہر کرتی ہے:

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنو حارث بن خزرج کے محلے میں مقیم ہوئے، مدینے کی آب وہوا سے عادی ہونے میں لوگوں کو تھوڑا وقت لگا، بہت سے بیمار ہو گئے جن میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے (طبقات ابن سعد)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جن کی رخصتی اُس وقت عمل میں نہیں آئی تھی) فرماتی ہیں کہ میں اپنے والد گرامی کی تیمارداری کرتی تھی تو وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

كُلُّ امْرِءٍ مُصَبِّحٌ فِيْ اَهْلِهٖ

وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ

ترجمہ: ہر آدمی اپنے اہل وعیال ہی میں مصروف ہے اور اس کی موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے.....

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ اِن الفاظ کی ادائیگی کے وقت میرے والد پر غنودگی طاری تھی (یارِ غار، سیرت الصدیقؓ، غلام دستگیر نامی)

اب یہاں دو سوال اٹھتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس گھر میں مقیم ہیں وہاں آپ کی زوجہ حضرت ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی موجود ہیں، اور سیدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بڑی بہن ہیں وہ بھی موجود ہیں مگر تیمارداری کے فرائض 7 یا 8 برس کی بچی پر چھوڑ دیے جاتے ہیں.....

گھر کی بڑی خواتین کی موجودگی میں تیمارداری کا بوجھ ایک بچی کے ذمے کیوں ڈالا گیا؟؟

اور پھر وہ بچی اتنی کم عمری میں ہی اتنی باشعور اور ادبی لحاظ سے اتنی باذوق ہو گئی ہے کہ وہ اشعار کو مکمل صحت کے ساتھ یاد بھی رکھتی ہے اور دوسروں کو بتاتی بھی ہے؟؟

اصل بات یہ ہے کہ آپ اُس وقت جوان تھیں اور بہت سمجھدار اور عاقلہ تھیں اس لیے نا صرف یہ کہ اپنے والد گرامی کی تیمارداری کے فرائض آپ نے انجام دیے بلکہ اُن کے اشعار کو بھی یاد رکھا.....

استدلال نمبر 31.....رخصتی سے قبل ام المومنین کی علالت بھی اس روایت کی تائید نہیں کرتی:

صحیح بخاری میں منقول ہے کہ علالت کے دنوں میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے والد کی بھرپور تیمارداری کی اور جب والد صحت یاب ہوئے تو خود بستر سے لگ گئیں، شدید موسمی بخار نے آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور مرض نے اتنا طول پکڑا کہ از حد کمزور ہو گئیں، سر کے بال اتنے جھڑے کے کانوں کی لوؤں تک رہ گئے، چھ ماہ اسی بیماری میں گزر گئے، جب بیماری سے شفایاب ہوئیں تو آپ کے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب آپ اپنی اہلیہ کو اپنے گھر کیوں نہیں بلوا لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی اِس تجویز پر رضامندی کا اظہار کیا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رخصت کر کے گھر لے آئے (صحیح بخاری)

صحیح بخاری کی اس روایت سے یہ امر سامنے آیا کہ رخصتی سے قبل آپ ایک ماہ تپ محرقہ میں مبتلا رہ چکی تھیں جس کی وجہ سے آپ کے تمام بال جھڑ چکے تھے.....

کیا یہ ممکن ہے کہ 9 سال کی ایک نابالغ بچی جو مہینے بھر تپ محرقہ میں مبتلا رہ کر کانٹا بن چکی ہو اُسے اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رخصت کر کے اپنے گھر لے آئیں؟؟

کیا یہ بات شان رسالت سے مطابقت رکھتی ہے؟؟

اور کیا طویل بیماری سے نجات پانے والی کوئی کم سن لڑکی فوری طور پر اس قابل ہوتی ہے کہ ازدواجی اور گھریلو ذمے داریوں سے نباہ کر سکے؟؟

آپ بیماری سے نبرد آزما تو ضرور رہی تھیں اور علالت سے نجات کے بعد رخصت ہو کر اپنے

آقا و مولا کے گھر تشریف بھی لائیں مگر اُس وقت آپ ایک نابالغ لڑکی نہیں تھیں بلکہ کافی سمجھدار تھیں اور شادی کی ذمے داریاں نبھانے کے قابل تھیں اسی لیے آپ کے والدین نے آپ کی رخصتی کا فیصلہ کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی آمادگی کا اظہار کیا.....

استدلال نمبر 32..... حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن کا یہ واقعہ بھی ایک واضح دلیل ہے:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازے کی چوکھٹ پر سے پھسل گئے اور اُن کے چہرے پر زخم آ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اسامہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے گندگی دور کردو، (خون بہتا دیکھ کر) مجھے کراہت محسوس ہوئی تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خون کو صاف کرنے لگے اور اُسے اپنے چہرے سے ہٹانے لگے (طبقات ابن سعد)

یہ علامہ ابن سعد کی روایت ہے لیکن اسی قسم کی ایک روایت سنن ابن ماجہ میں میں بھی مذکور ہے جس میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناک بہنے لگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اٹھ کر اسامہ کی ناک صاف کردوں، (ناک بہتی دیکھ کر) مجھے کراہت محسوس ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اٹھ کر ناک صاف کی (سنن ابن ماجہ)

جامع ترمذی کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناک صاف کرنے کا ارادہ کیا تو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں ناک صاف کیے دیتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! تو اسامہ سے محبت رکھ، کیونکہ میں بھی اسامہ سے محبت رکھتا ہوں (جامع ترمذی)

مسند احمد میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ اسامہ دروازے کی چوکھٹ سے گر پڑے، اُن کے چہرے پر چوٹ آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَل مَل کر صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: اے اسامہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اگر تُو لڑکی ہوتا تو میں تجھے کپڑے اور زیور پہناتا اور تجھ پر خوب مال خرچ کرتا (مسند احمد)

امام بیہقی نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اٹھو اور اٹھ کر اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منہ دھلا دو، میں نے عرض کیا میرے کوئی بچہ نہیں ہوا لہٰذا میں نہیں جانتی کہ بچوں کے منہ کیسے دھوئے جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں پکڑ کر خود ان کا منہ دھلوا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑ کر اُن کا منہ دھلایا اور فرمایا کہ تُو نے ہمارے لیے سہولت پیدا کر دی کہ تُو لڑکی نہ ہوا، اگر تُو لڑکی ہوتا تو میں تجھے زیور سے سجاتا اور تجھ پر خوب مال خرچ کرتا (سنن بیہقی)

ان روایات کے الفاظ پر بھرپور غور کیجیے تو آپ کو صاف محسوس ہوگا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام المومنین کے سامنے ایک بچے ہیں جن کے کبھی چوٹ لگتی ہے اور کبھی ناک بہنے لگتی ہے، کبھی ام المومنین اٹھ کر صاف کرتی ہیں اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ کام انجام دیتے ہیں، کبھی ام المومنین کو کراہت محسوس ہوتی ہے اور کبھی ام المومنین یہ کہہ کر عذر کرتی ہیں کہ میرے کوئی بچہ تو نہیں ہوا جو مجھے بچوں کے منہ دھلانے کا تجربہ ہو.....

اول تو یہ بات کہ میرے کوئی بچہ تو نہیں ہوا، کسی نو دس سالہ بچی کی زبان سے نکل نہیں سکتی، یہ بات ایک اچھی عمر کی وہ عورت ہی کہہ سکتی ہے جو اولاد کی تمنا کر سکتی ہو.....

دوم یہ کہ اس سے یہ امر بھی واضح ہو رہا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام المومنین سے کافی چھوٹے تھے، اگر ام المومنین اُن کی ہم عمر ہوتیں یا اُن سے چھوٹی ہوتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہرگز انہیں خون یا ناک صاف کرنے کا حکم نہیں دیتے کیونکہ عام طور پر اس قسم کا حکم ہمیشہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو اُس بچے سے ہر صورت میں بڑا ہو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ ایک دس سالہ بچے کی خدمت پر ایک آٹھ سالہ بچے کو مامور کر دیا جائے.....

بعض مؤرخین فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا تو اُس وقت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی، لہٰذا یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر کیا تھی؟؟

☆ حافظ ذہبی علیہ الرحمہ نے تحریر کیا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی (سیر اعلام النبلاء)

☆ ولی الدین الخطیب مصنف مشکوٰۃ اپنی کتاب الاکمال فی اسماء الرجال میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر بیس سال تھی (مشکوٰۃ)

☆ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب وصال ہوا تو حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر انیس سال تھی (البدایہ والنہایہ)

☆ یہ بھی محدثین و مؤرخین کے یہاں مسلمہ امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ظاہری دنیا سے پردہ فرمانے سے قبل جو لشکر روم کے مقابلے کے لیے ترتیب دیا تھا اور جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام پر حملے کے لیے مامور فرمایا تھا، اُس لشکر کے سپہ سالار حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کے بعد سب سے پہلا کام یہ ہی انجام دیا تھا کہ اُس لشکر کو روانہ فرمایا تھا جو اللہ کے فضل سے کامیاب لوٹ کر آیا تھا اور اتنے بڑے لشکر کی قیادت کرتے وقت اُن کی عمر یقیناً بیس برس یا اس سے کچھ زیادہ رہی ہوگی.....

ان روایات سے یہ حقیقت پتہ چلتی ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش ۳ یا ۴ نبوی کی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سال پیدائش بھی ۳ یا ۴ نبوی تسلیم کیا جائے تو یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لڑکے کی ہم عمر لڑکی کو اس کی ناک صاف کرنے کا حکم دیا؟؟؟

گویا یہ ایک تاریخی عجوبہ تھا کہ ایک لڑکی اپنے ہم عمر لڑکے یا اپنے سے دو سال بڑے لڑکے کی ناک صاف کرے؟؟؟

دراصل اس قسم کے تمام واقعات حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن کے ہوں گے اور ام المومنین کو یہ حکم اسی وقت دیا جا سکتا ہے جبکہ ام المومنین کی عمر حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ ہو اور جب اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام المومنین سے چھوٹے ہوئے اور ان کی عمر وصالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت انیس بیس سال ہوئی تو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے کم از کم پانچ سال تو ضرور بڑی ہوں گی تا کہ خون یا ناک صاف کرنے کے احکامات درست ثابت ہو سکیں.....

استدلال نمبر 33..... حضرت بشر بن حقربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بھی ایک واضح ثبوت ہے:

جنگ احد میں کفار کے ہاتھوں 70 صحابہ کرام شہید ہوئے ان میں ایک شہید حضرت حقربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، اُن کے فرزند حضرت بشر بن حقربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے غم میں بیٹھا زار و قطار رو رہا تھا کہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور میرے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: ''کیا تُو اس پر راضی نہیں ہے کہ میں تیرا باپ بنوں اور عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تیری ماں بنے'' حضرت بشر بن حقربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی (کتاب الاستیعاب)

واضح رہے کہ غزوۂ احد شوال ۳ ہجری میں پیش آیا، اس سے دو سال قبل سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رخصت ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لائی تھیں، اگر شادی کے وقت آپ کی عمر 9 برس تصور کی جائے تو غزوۂ احد کے وقت لامحالہ 11 برس تسلیم کرنی پڑے گی.....

حضرت بشر بن حقربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر بھی اُس وقت کم از کم چھ سات سال تو ضرور ہوگی، ایک چھ سات سالہ بچے کی دادرسی کے لیے، ایک گیارہ سالہ کم سن بچی کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ یہ تیری ماں بنے اور میں تیرا باپ'' کیا عجیب بات نہیں لگتی؟؟

حقیقت یہ ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر غزوۂ احد کے وقت کم از کم اکیس سال تھی.....

استدلال نمبر 34.....ام المومنین کا کنیت رکھنے پر اصرار بھی آپ کی پختہ عمری کا مظہر ہے:

سرزمین عرب جہاں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ہوئی، وہاں کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب کوئی مرد صاحب اولاد ہوتا تو بیٹے کی نام پر اپنی کنیت رکھتا اور عام طور پر یہ کنیت پہلی اولاد کے نام پر رکھی جاتی تھی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے صاحبزادے کا نام سیدنا قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، بالکل اسی طرح سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابوالحسن ہے کیونکہ آپ کے بڑے صاحبزادے کا نام سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔

مردوں کی طرح عرب کی عورتوں میں بھی یہ ہی رواج تھا کہ جب کسی عورت کی شادی کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا تو اُس کے نام پر اپنی کنیت رکھتیں اور اسی سے متعارف ہوتیں بلکہ کنیت سے ہر شخص کو پتہ چل جاتا کہ فلاں خاتون صاحب اولاد ہے جیسے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت اُن کی اولاد کے نام پر ہے.....

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اگرچہ اپنی کوئی اولاد نہیں تھی لیکن ایک روز فطری جذبے سے مجبور ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں کس طرح اپنی کنیت رکھوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بیٹے عبداللہ کے نام پر کنیت رکھ لو، یہاں عبداللہ سے مراد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اسی لیے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت ام عبداللہ ہے (سنن ابی داؤد/ طبقات ابن سعد)

کنیت مقرر ہونے سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اُس جذبۂ مادریت کی تسکین ہوگئی جو ہر جوان عورت کی تمنا ہوتی ہے، اور یہ تمنا کسی کم سن بچی میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ ایک ایسی عورت ہی کے دل میں جنم لیتی ہے جو ماں بننے کے قابل ہو، ام المومنین کے دل میں اس تمنا کا پیدا ہونا بذاتِ خود اس امر کی دلیل ہے کہ آپ اُس وقت جوان تھیں اور علامہ ابن ہشام کی روایت کی رُو سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام المومنین سے صرف آٹھ سال چھوٹے تھے، ایسی صورت میں اُن کو چھوٹا بھائی تو کہا جاسکتا تھا بیٹا ہرگز نہیں کہا جاسکتا تھا، یہ تمام صورت حال اس امر کو ثابت کر رہی ہے کہ ام المومنین اُس وقت جوان العمر تھیں اور آپ کا فطری جذبہ اولاد کا متمنی تھا، اسی لیے اپنے بھانجے کو بیٹا بنایا.....

استدلال نمبر 35.....غزوۂ بدر میں لشکر اسلام میں ام المومنین کی موجودگی بھی پختہ عمری کی دلیل ہے:

متعدد روایات اس امر کی شہادت فراہم کرتی ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نا صرف یہ کہ غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے لشکر اسلام کا حصہ تھیں بلکہ اس جنگ سے متعلق متعدد روایات بھی آپ ہی کے مبارک واسطے سے امت تک پہنچی ہیں، یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُس وقت نو سال کی کم عمر لڑکی نہیں بلکہ جوان خاتون تھیں.....

اگرچہ بعض مؤرخین اس پر متفق نہیں کہ ام المومنین نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی مگر خوش قسمتی سے بعض ایسی باوثوق روایات ہم تک پہنچی ہیں جو اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ آپ غزوۂ بدر میں شریک تھیں.....

امام مسلم علیہ الرحمہ نے صحیح مسلم میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے واسطے سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کی جانب کوچ کیا، جب آپ ''حرۃ الغریرہ'' پہنچے تو ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا جس کی جرأت و بہادری مشہور تھی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، جب وہ قریب آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں بھی یہ تکلیف برداشت کروں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تُو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟ اُس نے جواب دیا نہیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے فرمایا جاؤ واپس لوٹ جاؤ، میں کسی مشرک سے مدد کا طالب نہیں بنتا.....

ام المومنین فرماتی ہیں کہ وہ شخص چلا گیا لیکن جب ہم ''شجرہ'' پہنچے تو وہ ہی شخص پھر واپس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے پھر وہ ہی سوال فرمایا کہ کیا تُو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟ اُس نے جواب دیا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتا لہٰذا وہ شخص واپس چلا گیا.....

ام المومنین فرماتی ہیں کہ جب ہم مقام ''بیداء'' پر پہنچے تو وہ ہی شخص پھر لوٹ کر آیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے پھر وہ ہی سوال کیا کہ کیا تُو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟ اُس نے جواب دیا ہاں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا تو پھر ہمارے ساتھ چلو (صحیح مسلم)

بعض شارحین حدیث نے اگرچہ اس حدیث کی یہ تاویلات فرمائی ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہاں ام

المومنین کی ہم سے مراد صحابہ کرام ہوں اور وہ خود اس ہم کی ضمیر میں شامل نہ ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ام المومنین مقام بیداء تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت کرنے گئی ہوں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں تو امام مسلم علیہ الرحمہ کی اس حدیث سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غزوۂ بدر میں شریک تھیں، آپ کی رخصتی شوال ایک ہجری میں ہوچکی تھی اور غزوۂ بدر اس کے ایک سال بعد رمضان ۲ ہجری میں پیش آیا، اگر آپ اُس وقت صرف دس سال کی ہوتیں تو آپ کی اس غزوے میں شرکت کیا معنی رکھتی تھی جبکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصرار کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہہ کر منع فرمادیا تھا کہ تم ابھی کم سن ہو اس لیے جنگ لڑنے کے قابل نہیں، یہ اور بات ہے کہ جب وہ زاروقطار رونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں شرکت کی اجازت دے دی، یہ اضطراری کیفیت کے زیر اثر ایک فیصلہ تھا، جنگی اصول نہ تھا، جنگی اصول تو یہ ہی تھا کہ بچے جنگ میں حصہ لینے کے اہل نہیں، اس اصول کے باوجود ام المومنین کی جنگ بدر کے لشکر میں شمولیت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آپ کی عمر اُس وقت کم از کم بیس یا اکیس برس تھی.....

غزوۂ بدر ہی کے سلسلے میں ایک اور مشہور واقعہ یہ ہے کہ اُس روز جو علم تیار کیا گیا تھا وہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اوڑھنی سے تیار کیا گیا تھا، یہ واقعہ اس امر کا ایک اور واضح ثبوت ہے کہ ام المومنین غزوۂ بدر میں شریک تھیں کیونکہ یہ بات تو بعید از قیاس ہے کہ ایک دس سالہ لڑکی کی اوڑھنی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جہاد میں پہنچے ہوں، یہ تصور بھی محال ہے اور یہ ممکن نہیں کہ نئی نویلی دلہن کی اوڑھنی اتار کر آپ اُسے بدر کے میدان میں لے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ مقام بیداء تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت کرنے گئیں اور اپنی اوڑھنی بھی وہیں چھوڑ آئیں، جو لوگ اس طرح کی دلیلیں پیش کرتے ہیں اُن کی عقل پر افسوس ہوتا ہے، وہ بھول جاتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ کوئی شیریں فرہاد کا قصہ نہیں بلکہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا واقعہ

ہے، اگر تاویل ہی کرنی ہے تو پھر مثبت انداز میں کریں اور فرض ہی کرنا ہے تو پھر یہ فرض کریں کہ صورت حال کچھ اس طرح پیش آئی ہوگی کہ اچانک جو جنگ سامنے آئی تو اُس کے لیے علم تیار کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا ہوگا، لشکر گاہ میں شاید کوئی ایسا کپڑا موجود نہ ہوگا جس سے علم تیار ہو سکے لہٰذا ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی اوڑھنی عنایت فرمائی ہوگی، یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ آپ کے پاس صرف ایک ہی اوڑھنی ہو عین ممکن ہے کہ طویل سفر اور جنگ کے پیش نظر آپ نے دو یا اس سے زائد اوڑھنیاں چلتے وقت ساتھ لے لی ہوں اور وقت پڑنے پر اُن میں سے ایک اوڑھنی علم کے لیے عنایت فرما دی ہو.....

غزوۂ بدر میں آپ کی شرکت کی ایک اور ٹھوس دلیل یہ بھی ہے کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے وظائف مقرر فرمائے تو بدری صحابہ کے وظائف غیر بدری صحابہ سے زیادہ متعین فرمائے اور ازواج مطہرات کے جو وظائف مقرر ہوئے تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وظیفہ بھی بدری صحابہ کی طرح دیگر ازواج مطہرات سے زیادہ متعین کیا گیا، اگرچہ بعض مؤرخین نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وظیفہ اس لیے زیادہ مقرر کیا گیا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب زوجہ تھیں، یقیناً یہ وجہ بھی ہوگی لیکن میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ آپ غزوۂ بدر میں شریک تھیں اور یہ شرف کسی اور زوجہ کو حاصل نہ تھا بلکہ روئے زمین کی کسی اور عورت کو یہ فخر حاصل نہیں.....

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ نا صرف یہ کہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئیں بلکہ اُس وقت آپ کی عمر نو سال نہیں تھی اگر آپ اُس وقت نو سالہ لڑکی ہوتیں تو آپ کا محاذِ جنگ پر جانے کا کیا مقصد؟ کیونکہ جو بھی عورت محاذِ جنگ پر جاتی ہے اُس کے ذمے کچھ نہ کچھ خدمات تو ہوتی ہیں ورنہ انہیں اپنے ساتھ لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا.....

غزوۂ بدر کے بعض واقعات بھی آپ ہی کی روایت سے امت مسلمہ تک پہنچے ہیں جن میں سے ایک روایت یہ بھی ہے جس میں آپ فرماتی ہیں کہ غزوۂ بدر میں دشمن کے جو لوگ قیدی بن کر آئے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ابی عزہ جمحی کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا (مشکوٰۃ/شرح السنہ)

یہ روایت بھی گویا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ ام المومنین نے غزوۂ بدر میں جواں عمری میں شرکت کی تھی اسی لیے آپ کو جنگ کے دوران اور بعد پیش آنے والے واقعات پوری صحت کے ساتھ یاد تھے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شمولیت کی اجازت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اُن لوگوں کو دی تھی جو پندرہ برس کی عمر تک پہنچ چکے تھے.....

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر میں بعض کم عمر نوجوانوں کو شامل کرنے سے انکار کر دیا جن میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت رافع بن خدیج، حضرت براء بن عاذب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنھما شامل ہیں (تاریخ الکامل)

''انساب الاشرف'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان مرقوم ہے کہ جب میں نے غزوۂ احد میں شامل ہونے کے لیے اپنے آپ کو رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپ نے مجھے کم عمر گردانتے ہوئے غزوۂ احد میں شمولیت کی اجازت نہ دی مگر جب میں نے اپنے آپ کو غزوۂ خندق میں شامل ہونے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپ نے مجھے اجازت دے دی کیونکہ میری عمر پندرہ سال ہو چکی تھی (انساب الاشراف)

اس اصول کی رُو سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب غزوۂ بدر میں حصہ لے رہی تھیں تو اُن کی عمر یقیناً پندرہ سال سے زائد تھی ورنہ آپ ہرگز اُس سپاہ کا حصہ نہ ہوتیں جس نے غزوۂ بدر میں حصہ لیا تھا.....

استدلال نمبر 36..... غزوۂ احد میں ام المومنین کی بالغ عمری میں شرکت کا ٹھوس ثبوت موجود ہے:

غزوۂ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی تمام مؤرخین کے ہاں مسلمہ ہے، مستند احادیث اور تاریخی روایات اس امر پر شاہد ہیں کہ آپ غزوۂ احد کے دوران اُن خواتین میں شامل تھیں جو زخمی صحابہ کرام کو پانی پلاتی تھیں، صحیح بخاری میں منقول ہے کہ غزوۂ احد کے دوران آپ اس عالم میں میدانِ جنگ میں تشریف لے جاتیں کہ جب تیر برس رہے ہوتے تھے اور آپ اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں (صحیح بخاری)

آپ اس روایت کو بغور پڑھیے اور پھر اس روایت سے اس کا موازنہ کیجیے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی یکم ہجری میں نو برس کی عمر میں ہوئی، غزوۂ بدر ۲ ہجری میں پیش آیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُس وقت آپ کی عمر گیارہ برس تھی، کیا گیارہ برس کی ایک بچی سے یہ توقع بھی کی جاسکتی ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کر زخمیوں کو پانی پلائے اور وہ بھی اس عالم میں کہ جب چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی ہو؟؟

اب اُن بچوں کا واقعہ یاد کیجیے جن کے نام رافع اور صامرہ تھے، جن کی عمریں تیرہ برس کے قریب تھیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں کم سنی کے باعث غزوۂ احد میں حصہ لینے سے منع فرمایا تھا، اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر غزوۂ احد کے موقع پر گیارہ برس تھی جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تب یہ کس طرح ممکن ہے کہ بارگاہِ رسالت سے ایک گیارہ سالہ لڑکی کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت مل جائے جبکہ تیرہ برس کے لڑکوں کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی، اس کے برعکس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ غزوۂ احد کے وقت آپ کی عمر 20 یا 21 برس تھی تو یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ یہ عمر جنگ میں خدمات انجام دینے کے لیے مناسب ہے.....

غزوۂ احد ایک ایسا غزوہ ہے، جس میں 70 صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جام شہادت نوش کیا تھا اور شاید کوئی فرد بشر ایسا ہوگا جو زخموں سے چور نہ ہوا ہو، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس غزوے میں زخمی ہوئے تھے، غزوۂ بدر کے برخلاف اس غزوے میں صحابیات کی ایک مختصر جماعت نے بھی شرکت تھیں.....

اس سے قبل کہ میں اس پر تبصرہ کروں کہ اُس غزوے میں کون کون سی صحابیات شریک تھیں اور اُن کی کیا کیا ذمے داریاں تھیں، یہ بتانا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش آمدہ خطرات سے واقف تھے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سالہ لڑکوں کو اس غزوے میں شرکت کی اجازت نہیں دی، اِن کم عمر بچوں میں حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل ہیں، اور خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے غزوۂ احد میں شامل نہیں کیا گیا کیونکہ اُس وقت میری عمر چودہ سال تھی اور سب سے پہلا غزوہ جس میں میں شریک ہوا وہ غزوۂ خندق ہے، اس روایت کی رُو سے جو اصول طے پایا وہ یہ کہ جنگ میں شرکت کی حد کم از کم پندرہ سال ہے بلکہ بعض فقہاء نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اِسی روایت کے باعث بلوغ کی حد بھی کم از کم پندرہ سال بیان کی ہے.....

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس غزوے میں لڑکوں کی شرکت کے لیے کم از کم حد پندرہ سال مقرر کی تھی تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ کسی گیارہ سالہ لڑکی کو غزوے میں شرکت کی اجازت دی جائے؟؟

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جنگ میں جو عورتیں شریک ہوتی ہیں اُن کی متعدد ذمے داریاں بھی ہوتی ہیں، مثال کے طور پر زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھانا، ان کا علاج معالجہ، زخمیوں اور مجاہدین کو پانی پلانا بلکہ بوقت ضرورت انہیں ہتھیار سپلائی کرنا، ظاہر ہے کہ میدان جنگ میں یہ امور انجام دینا ہر عورت کے

بس کا کام نہیں پھر جائیکہ اس سلسلے میں نو دس سالہ بچیوں سے کام لیا جائے؟؟

عورت اتنے اہم کام اُسی وقت انجام دے سکتی ہے جب وہ کچھ نہ کچھ فنون حرب سے بھی واقفیت رکھتی ہو اور ضرورت پڑنے پر اپنا دفاع بھی کر سکتی ہو بلکہ اتنا دل بھی رکھتی ہو کہ ضرورت پڑنے پر میدان کارزار میں اترنے کے لیے تیار ہو.....

میں جب ان امور پر غور کرتا ہوں تو میرا ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ کام کسی کم سن بچی کے سپرد نہیں کیے جا سکتے اور اُس جنگ میں تو بالکل بھی نہیں جبکہ چودہ سالہ بچوں کو بھی شرکت کی اجازت نہ دی گئی ہو لہٰذا اس جنگ میں جو عورتیں شریک ہوئی ہوں گی وہ یقیناً جوان العمر اور تجربہ کار ہوں گی اور تمام اونچ نیچ کو اچھی طرح سمجھتی ہوں گی، یہاں میں ایسی بعض صحابیات کا حوالہ دینا چاہوں گا جنہوں نے جنگ احد میں شرکت کی اِن میں سے ایک تو حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور دوسری حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جن کی جانب سے غزوۂ احد میں شرکت مؤرخین کے نزدیک ایک مسلمہ امر ہے (طبقات ابن سعد)

یہ دونوں صحابیات پختہ عمر کی خواتین تھیں اور انہوں نے غزوۂ احد میں نمایاں خدمات انجام دیں تھیں، ان ہی معزز خواتین کے ساتھ ایک اور عظیم خاتون کا نام آتا ہے جو غزوۂ احد میں مختلف خدمات پر مامور تھیں اور یہ خاتون ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں.....

گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غزوۂ بدر میں بھی شریک تھیں، اسی طرح جنگ احد میں بھی آپ کی شرکت مسلمہ ہے اور اُس روز آپ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مصروف کار تھیں.....

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا، وہ دونوں مشکیں اوپر اٹھائے ہوئے تھیں اور مجاہدین کو پانی پلاتیں، پھر جا کر انہیں بھر کر لاتیں اور مجاہدین کو پانی پلاتیں (صحیح بخاری)

یہ پانی پلانے کا عمل میدان جنگ میں جاری تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ عمل ایک مسلح اور تجربہ کار عورت کا تو ہو سکتا ہے لیکن ایک دس گیارہ سالہ کم سن اور ناتجربہ کار بچی کا نہیں ہو سکتا، اُس کے لیے تو مشک اٹھانا بھی دشوار عمل ہے کجا کہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی تجربہ کار عورت کے ساتھ برابر کا شریک ہونا خود اس امر کا ثبوت ہے کہ ام المومنین ہرگز اس وقت کم عمر نہیں تھیں اور جب کہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس جنگ میں چودہ سالہ لڑکوں کو بھی شرکت کی اجازت نہیں دی گئی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا دس سال کی عمر میں اس کام پر مامور کی جاتیں اور اُن سے تو یہ توقع بھی نہیں کی جا سکتی کہ اُنہوں نے یہ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر انجام دی ہو کیونکہ آپ کی حیات طیبہ شاہد ہے کہ اپنے آقا و مولا کی مرضی کے بغیر آپ کوئی کام نہیں کرتی تھیں.....

استدلال نمبر 37.....ام المومنین کی عمر کا مسئلہ خارج از بحث نہیں:

بعض سیرت نگاروں نے یہ کہہ کر اس مسئلے کو خارج از بحث قرار دے دیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کا مسئلہ چونکہ محض تاریخی نوعیت کا حامل ہے دینی نوعیت کا حامل نہیں اس لیے اس پر تحقیق لاحاصل ہے.....

یہ استدلال عمومی حد تک تو درست ہے مگر استثنائی معاملات میں درست نہیں، یہ ٹھیک ہے کہ اہل عرب میں کسی باقاعدہ کیلنڈر کی عدم دستیابی کے باعث بزرگ ہستیوں کی عمروں کے تعین میں 12 سے 15 سال کا فرق ایک معمولی بات ہے اور ان میں سے کسی کی عمر کو قطعیت کے ساتھ متعین کرنا اور زیر بحث لانا وقت کا ضیاع ہے مثال کے طور پر ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاریخ وفات بقول امام بخاری ۲۳ ہجری ہے لیکن واقدی نے ۲۴ ہجری لکھی ہے مگر اس پر کسی نے حیرت کا اظہار نہیں کیا کیونکہ اہل علم جانتے ہیں کہ اس قسم کے تاریخی تضادات جن کا کسی دینی معاملے سے تعلق نہ ہو یقیناً قابل اہمیت نہیں ہوتے تاہم جن واقعات کا اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر پڑتا ہو وہاں پھونک

حاصل نہیں بلکہ اس میں جدت طرازی کا عنصر نمایاں ہے.....

ہشام بن عروہ کے دور سے قریب ترین دور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا ہے (۸۰ھ سے ۱۴۸ھ) لیکن امام اعظم علیہ الرحمہ نے ہشام سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی روایت نقل نہیں کی..... دوسرے قریب ترین سیرت نگار علامہ ابن اسحاق ہیں (۸۵ھ سے ۱۵۳ھ) لیکن انہوں نے بھی ہشام کی روایات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا، بلکہ ان کی تحقیق ہشام بن عروہ کی روایات سے متصادم دکھائی دیتی ہے..... امام مالک علیہ الرحمہ (۹۳ھ سے ۱۷۹ھ) ہشام کے قیام مدینہ کے دور کے اہم ترین شاگرد ہیں لیکن انہوں نے بھی کم سنی میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح اور رخصتی کی روایت نہیں اپنائی، کیونکہ اُس وقت تک یہ روایت وضع ہی نہیں ہوئی تھی.....

استدلال نمبر 48..... سند کے اعتبار سے عبداللہ ابوالزناد اور ہشام بن عروہ کا موازنہ بھی معاملے کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے:

گزشتہ صفحات میں آپ نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کے حوالے سے جو اقتباسات ملاحظہ کیے اُن میں حافظ ذہبی علیہ الرحمہ کا وہ قول بھی شامل ہے جو اُنہوں نے حضرت عبداللہ ابوالزناد کی سند سے نقل کیا تھا جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی بہن سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں، حضرت عبداللہ ابوالزناد، ہشام بن عروہ کے ہم عصر تھے اور ان کا شمار بڑے مستند اور ثقہ محدثین میں ہوتا ہے، اب ہمارے سامنے ایک طرف ابوالزناد کی تصریح ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی بہن سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے 10 سال بڑی ہیں، اور دوسری طرف ہشام کی تصریح ہے کہ رخصتی کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نو سال کی تھیں (یعنی دونوں بہنوں کی عمر میں 20 سال کا فرق تھا)

ان دونوں اقوال میں واضح تضاد موجود ہے، کیونکہ ان دونوں یکسر متضاد روایات کے درمیان تطبیق

اس کا ذکر نہیں کیا، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کثیر الروایات صحابی ہیں، حضرت جابر، حضرت سعید خدری، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے کثیر الروایات اصحاب نے کبھی یہ روایت پیش نہیں کی، حضرت انس بن مالک، حضرت زید بن حارثہ، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ام ایمن اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ سب گھر کے لوگ ہیں انہوں نے کبھی ذکر نہیں کیا، ازواج مطہرات اور بنات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ذکر نہیں کیا.....

خود عروہ بن زبیر علیہ الرحمہ کا خاندان، ہشام کے گھر والے، اہل مدینہ، اہل یمن اور اہل بصرہ تک اس روایت سے ناواقف تھے، ائمہ اربعہ نے اس کا ذکر نہیں کیا، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ تو ہشام کے ہم عصر تھے پھر بھی آپ نے یہ روایت قبول نہیں کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس روایت کو بیان نہیں کیا تو پھر اس روایت کو قبول کرنے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے!

استدلال نمبر 47.....اسلامی تاریخ کی ابتدائی دوصدیاں اس روایت سے خالی ہیں:

یہ ایک ایسی غیر متواتر روایت ہے کہ ۱۸۵ھ سے قبل اس کا وجود تک نہیں تھا، جب یہ روایت کتب احادیث کی زینت بنی اُس وقت ۲۲۰ھ کا دور تھا جو اس امر کا اظہار ہے کہ ابتدائی دوصدیاں اس روایت سے خالی رہی ہیں، ابتدائی دوصدیوں میں جو مسانید اور کتب تواریخ مرتب کی گئیں اُن میں یہ روایت موجود نہیں تھی مثلاً مسند امام اعظم، سیرت ابن اسحاق، جامع معمر، مؤطا امام مالک، موطا امام محمد وغیرہ میں یہ روایت موجود نہیں.....

مصنف عبدالرزاق، مسند ابی داؤد طیالسی، طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام، کتاب الام اور تاریخ طبری میں بھی یہ روایت موجود نہیں حالانکہ جس طرح کی یہ اہم روایت ہے اسے تو دور قدیم کے ہر مصنف کو بیان کرنا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہوا جس کا واضح مطلب یہ ہی برآمد ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی روایت ہے جو اسلام کے ابتدائی دوسو سال بعد کسی خاص مقصد کے تحت وضع کی گئی اور اسے قدیم روایت کا درجہ

ہشام بن عروہ کا یہ قول ہی اُس روایت کی سند کو مشکوک بنانے کے لیے کافی ہے جو ام المومنین کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے کیونکہ اس روایت کا تو سرچشمہ ہی عراق ہے، لہٰذا یہ کیسے معتبر ہو سکتی ہے؟؟

ہشام بن عروہ ۱۳۱ھ تک قیام مدینہ کے دوران اہل عراق کی بیان کردہ روایتوں کو نا قابل اعتبار ٹھہراتے رہے، لیکن اُن کے عراق پہنچتے ہی عمر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نو راوی کوفہ سے اور چار بصرہ سے دستیاب ہو گئے، یہ بھی تو ممکن ہے کہ ہشام بن عروہ کے کم زور حافظے سے فائدہ اٹھا کر مخالفین اسلام کی ایماء پر بعض عراقیوں نے خود ہی یہ روایت وضع کی ہو اور ہشام بن عروہ کی وفات کے بعد اُن سے منسوب کر کے عالم اسلام میں اختلاف اور انتشار کی بنیاد رکھ دی گئی ہو تا کہ اُن اسلام دشمن عناصر کے مذموم عزائم کی تکمیل ہو سکے جو اس دین برحق کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں.....

استدلال نمبر 46..... جید صحابہ کرام اور خاندانِ صدیقی نے اس روایت کو بیان نہیں کیا:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم سنی میں شادی کی روایت اپنی نوعیت کے اعتبار سے اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے حوالے سے نہایت اہمیت کی حامل ہے اور اس امر کی متقاضی ہے کہ اسے بہت سے جلیل القدر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کرتے لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ خود سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاندان میں سے کسی نے کبھی اس روایت کا ذکر نہیں کیا، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والدین اور بہن بھائیوں نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا حتیٰ کہ آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کے نام پر ام المومنین کی کنیت ام عبداللہ تھی، انہوں نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا، آپ کے کسی رشتے دار نے اس روایت کا ذکر نہیں کیا.....

اکابر صحابہ سے بھی یہ روایت منقول نہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے کثیر الروایات صحابی نے اس روایت کو پیش نہیں کیا حتیٰ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے 800 سے زائد تلامیذ نے

نو برس کی عمر میں رخصت ہو کر حرم نبوی میں آئیں لیکن ہشام کے عراق پہنچتے ہی تیرہ راوی پیدا ہو گئے اور یہ عجوبہ روایت کتابوں میں جگہ پا کر پوری امت میں پھیل گئی، ہشام سے یہ روایت نقل کرنے والے 13 افراد میں سے 9 کا تعلق کوفہ اور 4 کا تعلق بصرہ سے ہے، ان افراد کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

1) سفیان بن سعید ثوری (کوفہ)
2) سفیان بن عیینہ (کوفہ)
3) علی بن مسہر (کوفہ)
4) ابو معاویہ الضرید (کوفہ)
5) وکیع بن الجراح (کوفہ)
6) یونس بن بکیر (کوفہ)
7) ابو سلمہ (کوفہ)
8) حماد بن زید (کوفہ)
9) عبدۃ بن سلیمان (کوفہ)
10) حماد بن سلمہ (بصرہ)
11) جعفر بن سلیمان (بصرہ)
12) حماد بن سعید (بصرہ)
13) وہب بن خالد (بصرہ)

یہ ہیں وہ راوی جنہوں نے ہشام بن عروہ سے یہ روایت نقل کی ہے.....

جب ہشام عراق پہنچے تو ان کی عمر 71 برس ہو چکی تھی، حیرت ناک امر یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں تو 71 سالہ قیام کے دوران ایسی کوئی روایت ان کی زبان سے نہ نکلی اور عراق میں محض چند سالہ قیام کے دوران 13 افراد ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے یہ روایت آگے پہنچائی، عین ممکن ہے کہ اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے یہ روایت وضع کر کے ہشام بن عروہ کی جانب منسوب کر دی ہو یا عراق کی آب و ہوا ہشام پر ایسی اثر انداز ہوئی ہو کہ اُنہیں اپنا ہوش بھی نہ رہا ہو لہٰذا اُن کی اُن روایات پر تو ہرگز بھروسا نہیں کیا جا سکتا جو اُنہوں نے عراق میں بیان کیں تاہم اُن روایتوں کو ضرور قابل اعتبار سمجھا جا سکتا ہے جو اُنہوں نے مدینہ منورہ میں بیان کیں تھیں، اُن کی مدنی زندگی کی یادگار وہ روایت بھی ہے جس میں وہ خود کہتے ہیں کہ ''جب تم سے کوئی عراقی ایک ہزار احادیث بیان کرے تو اُس میں سے نو سو نوے (990) کو رد کر دو اور باقی دس میں بھی شک کرتے رہو'' (تحقیق عمر عائشہ رضی اللہ عنہا، علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی)

وفات کے 39 سال بعد اپنے استاد کے حوالے سے یہ احادیث روایت کی ہیں، لیکن اس کے علاوہ کسی ایک محدث نے بھی ان احادیث کی تصدیق نہیں کی.....

محققین نے لکھا ہے کہ ۱۴۶ھ میں ہشام بن عروہ 86 برس کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے، اُس وقت تک سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کم سنی میں نکاح ورخصتی والی روایت اتنی زبان زدِ عام نہ ہوئی تھی جتنی کہ اُس وقت ہوئی جب ہشام ہی کے ایک شاگرد علی بن مسہر کوفی نے اس کی تشہیر کی، علی بن مسہر کوفی ۱۸۵ھ میں اچانک ہی نمودار ہوئے اور اپنے استاد کے حوالے سے ایسی متعدد روایات منظر عام پر لے آئے جن میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم سنی میں رخصتی، بچپن میں گڈے گڑیوں سے کھیلنے اور اُن کی طفلانہ عادتوں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبسم فرمانے کا ذکر ملتا ہے.....

محققین یہ بھی لکھتے ہیں کہ علی بن مسہر زندگی کے آخری حصے میں آشوب چشم کے مرض میں مبتلا ہو کر آنکھیں کھو بیٹھے تھے اور مالی پریشانیوں کی وجہ سے بھی برے حالات کا شکار تھے، اس دورِ مصائب میں علی بن مسہر نے یہ روایت بیان کی جس پر شکوک وشبہات کے بادل ہنوز موجود ہیں، یہ وہ دور تھا کہ جب وہ کئی ایسی روایات سناتے رہتے تھے جن میں سے بعض انتہائی عجیب وغریب ہیں، علی بن مسہر کے علاوہ اس سے پہلے کسی شخص نے ام المومنین سے متعلق کم سنی میں رخصتی کی روایت پیش نہیں کی جو کہ ایک حیران کن امر ہے

استدلال نمبر 45.....اس روایت کا کوئی بھی راوی مکی یا مدنی نہیں، تمام کے تمام عراقی ہیں:

ایک اور دلچسپ امر یہ ہے کہ ہشام بن عروہ سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم سنی والی روایت نقل کرنے والے حیرت انگیز طور پر تمام کے تمام عراقی ہیں، اُن میں سے بعض کوفی ہیں اور بعض کا تعلق بصرہ سے ہے، ان میں سے مکی یا مدنی کوئی نہیں ہے جہاں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عمر کا بیشتر حصہ گزارا ہے حتیٰ کہ کسی شامی یا مصری راوی بھی اس روایت کا امین نہیں ہے، مدینے میں قیام تک ہشام بن عروہ سمیت ایک راوی بھی ایسا نہ تھا جس نے یہ کہا ہو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ہو گیا ہو گا کہ ایسے راوی کی بیان کردہ روایت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا:

☆ جسے بچپن ہی سے بھول چوک کی عادت ہو.....

☆ جسے امام مالک علیہ الرحمہ جیسے جید محدث جھوٹا اور دروغ گو کہتے ہو.....

☆ جس کی روایت پر امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ بھروسہ نہ کرتے ہوں.....

☆ جسے علامہ ابن حجر عسقلانی غیر معتبر قرار دیں.....

☆ جو اہل مدینہ کے نزدیک اپنی ساکھ اور اعتبار کھو چکا ہو.....

☆ جو مالی منفعت کے لیے عراق پہنچ کر دربار شاہی سے منسلک ہو گیا ہو.....

☆ قیام عراق کے دوران جس کا حافظہ جواب دے گیا ہو اور وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہو.....

☆ جس کے بیانات میں تضاد ہو.....

☆ اور جو اپنی بیوی کی عمر رخصتی کے وقت 9 سال بتاتا ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہو کہ میری بیوی مجھ سے تیرہ سال بڑی ہے.....

تو اس پس منظر کے حامل شخص کی بیان کردہ اِس روایت کو کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح چھ سال اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی، یہ کوئی ایسی روایت بھی نہیں ہے کہ جسے نظر انداز کیا جا سکے بلکہ ایک ایسی روایت ہے جو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس شان پر حرف گیری کا باعث بنتی ہے لہٰذا اس طرح کی روایت سے رجوع کرنا ہی قرین عقل بھی ہے اور قرین ایمان بھی.....

استدلال نمبر 44.....اس روایت کے متواتر راوی علی بن مسہر بھی معتبر نہیں:

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعلق متعدد احادیث کے براہ راست راوی ہشام بن عروہ نہیں بلکہ اُن کے شاگرد علی بن مسہر کوفی ہیں جنہوں نے ہشام کی

میں فاطمہ بنت منذر، ہشام کے گھر رخصت ہو کر آئیں تو جناب ہشام کو ابھی متولد ہونے میں چار سال باقی تھے، کیا یہ بیان اس قابل ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے؟؟ ہشام کے بیانات کا تضاد تو علامہ ذہبی علیہ الرحمہ کے اس بیان سے دور ہو جاتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت منذر کی جب رخصتی عمل میں آئی تو اس کی عمر 29 سال تھی لیکن اُس (ہشام) نے دو عشروں کو گرا کر 9 کر دیا.....

(میزان الاعتدال)

بالکل اسی طرح جس طرح انہوں نے ام المومنین کے معاملے میں 19 کی دہائی گرا کر 9 بنا دیا گیا..... لہٰذا اب اس بات پر پختہ یقین کرنے میں کوئی امر مانع نہیں کہ ام المومنین 9 نہیں بلکہ 19 سال کی عمر میں اسی طرح رخصت ہو کر آئیں جس طرح فاطمہ بنت منذر 29 سال کی عمر میں رخصت ہو کر آئی تھیں.....

بعض محققین نے اس حوالے سے ایک اور بڑا دلچسپ پہلو بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ہشام 80 برس کی عمر میں 9 سالہ کم سن فاطمہ بنت منذر کو رخصت کر کے گھر لے آئے تو اس بے جوڑ بندھن پر لوگوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں، جب تنقید کا دائرہ وسیع ہونے لگا تو ہشام نے خود کو بچانے کے لیے یہ کہہ کر لوگوں کا مطمئن کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو 9 سال کی عمر میں رخصت کرا کے گھر لے آئے تھے، گویا اُنہوں نے یہ کہہ کر اپنے فعل کو سنت کے عین مطابق قرار دینے کی کوشش کی جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہے، کیا اس تناظر میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ ہشام نے ایک کم سن لڑکی سے اپنے عقد کو قابل جواز بنانے کے لیے یہ روایت گھڑ لی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے 9 سال میں رخصتی لی تھی (واللہ اعلم بالصواب)

ہشام بن عروہ سے متعلق مختلف روایات بیان کرنے کے دوران اُن کے کردار، حافظے اور تضاد بیانی کے حوالے سے جو پس منظر میں نے بیان کیا ہے اُس سے یقیناً قارئین کے لیے اس نتیجے تک پہنچنا ممکن

صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس وقت نکاح کیا تھا، جب کہ ان کی عمر سولہ سال تھی، اور انیس سال کی عمر میں خلوت کی.....

اس روایت کے حوالے سے بعض محققین نے لکھا ہے کہ راوی بتانا یہ چاہتا تھا کہ شادی کے وقت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ''سِتِ عَشْرِ'' تھی مگر حافظے کی کمزوری کی وجہ سے ''عَشْرِ'' (یعنی دس) کا لفظ ادائیگی سے رہ گیا اور یوں روایت میں بھی درج ہونے سے رہ گیا.....

ہشام کی یہ غلطی محض بیماری کی وجہ سے تھی یا اس کے پیچھے کوئی اور منطق بھی کارفرما ہو سکتی ہے؟ اس حوالے سے اگلی دلیل شاید معاملے کو سمجھنے میں زیادہ معاون ثابت ہو سکے.....

استدلال نمبر 43..... ہشام پر 9 کا خبط اس طرح سوار ہوا کہ اُس نے اپنی بیوی کو بھی 9 سالہ بنا ڈالا:

محققین لکھتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی 9 برس میں رخصتی کی روایت وضع کرنے والے ہشام بن عروہ کے ذہن پر 9 سال کا خبط اس طرح سوار ہوا اور وہ نائن فوبیا کا اس حد تک شکار ہوئے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بھی نو سالہ بنا ڈالا.....

☆ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ہشام کا بیان ہے کہ میں نے اپنی بیوی فاطمہ بنت منذر سے 9 سال کی عمر میں شادی کی (تاریخ بغداد)

☆ حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے کہ ہشام بن عروہ نے کہا کہ فاطمہ بنت منذر شادی کے وقت مجھ سے تیرہ برس بڑی تھی (تہذیب التہذیب)

یہ دونوں اتنی متضاد روایات ہیں کہ ان پر یقین نہیں کیا جا سکتا، کہاں تو ہشام موصوف اپنی بیوی کو بوقت عقد 9 سال بتاتے ہیں اور دوسری طرف خود سے بھی بڑا بتاتے ہیں، یعنی جب نو سال کی عمر

گفتگو خاموش ہو جاتے ہیں اور کافی دیر بعد اگلا جملہ ادا کرتے ہیں حالانکہ سامع یہ سمجھتا ہے کہ بات مکمل ہوگئی تھی مگر درحقیقت Dimensia کے سبب گفتگو تکمیل تک نہیں پہنچی تھی، اس مرض میں مبتلا افراد کا ایک المیہ ادائیگی الفاظ کے دورانِ غیر ضروری توقف (Pause) بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے فقرۂ اولیٰ، فقرۂ ثانی سے منسلک نہیں رہ پاتا اور ایک ایسا بے ربط مکالمہ سامنے آتا ہے جس کی کوئی بھی کل سیدھی نہیں ہوتی اور اس طرح کی گفتگو سے برآمد ہونے والے فقرے کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے، متکلم کہنا کچھ چاہتا ہے کہہ کچھ اور جاتا ہے، ہشام بن عروہ نے جن دنوں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم سنی میں عقد والی روایت بیان کی وہ اُن دنوں Dimensia کا شکار تھے، ہشام کی سند سے جو روایت ہم تک پہنچی ہے اُس کے مندرجات تمام کتب میں کم وبیش اس طرح بیان ہوئے ہیں:..... عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِيْنَ وَبَنٰى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ..... (ترجمہ: ہشام اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُس وقت نکاح کیا تھا، جب کہ ان کی عمر چھ سال تھی، اور نو سال کی عمر میں خلوت کی)

وہ خوش عقیدہ محققین جو اِس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح اور رخصتی کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر بالترتیب 16 اور 19 برس تھی، اُنہوں نے ہشام کی مذکورہ روایت کے حوالے سے ایک بڑا لطیف نکتہ بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ Dimensia میں مبتلا ہشام سے یہ روایت بیان کرنے کے دوران ''عَشْرٌ'' (دہائی کا عدد) چھوٹ گیا ہے اور غلطی سے صرف اکائی نقل ہوگئی، یعنی سِتِّ اور تِسْعٍ کے بعد عَشْرٌ کا لفظ چھوٹ گیا ہے، جس کی وجہ سے 16 اور 19 کے اعداد بگڑ کر 6 اور 9 بن گئے، اگر ہشام سے یہ چوک نہ ہوتی تو مذکورہ عبارت اس طرح پڑھی جاتی:

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ عَشْرِ سِنِيْنَ وَبَنٰى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ عَشْرٍ.....

ترجمہ: ہشام اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ عائشہ

تحصیل کے لیے ضروری ہے، اس کا اندازہ یعقوب ابن ابی شیبہ کے اُس نوٹ سے ہوتا ہے جو تاریخ بغداد میں ''حدیث قلم بند کرنے کے دوران ہشام کی اہم نکات چھوڑ دینے کی عادت'' کے عنوان کے تحت موجود ہے اور ہشام کی ایک اہم عادت کی اس طرح نشاندہی کرتا ہے: ''ہشام کے والد (حضرت عروہ) نے اُن سے پوچھا کہ ہشام کیا تم نے اس حدیث کا موازنہ یا مقابلہ کیا تھا تو ہشام نے نفی میں جواب دیا، جس پر ان کے والد نے کہا، اس کا مطلب ہے تم نے حدیث نہیں لکھی ہے'' (تاریخ بغداد)

یہ تمام اقتباسات اس امر پر شاہد ہیں کہ ہشام بن عروہ نا صرف یہ کہ قیام عراق کے دوران حافظے سے محروم ہو چکے تھے بلکہ اُن کا لڑکپن بھی اس عیب سے خالی نہ تھا چنانچہ اُن کی بیان کردہ روایات کسی طرح شکوک وشبہات سے بالاتر نہیں خصوصاً ایسی کوئی روایت جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے.....

استدلال نمبر 42.....اندراجِ روایت کے دوران لفظ ''عَشْرٌ'' کے درج نہ ہونے سے بھی تضادات جنم لیتے ہیں:

ہم اپنے روزمرہ معمولاتِ زندگی میں قوت حافظہ کے ضعف، بشری کمزوریوں اور دورانِ گفتگو بھول چوک کا عام طور پر مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی کمزوری ہے جس سے کوئی بشر مستثنیٰ ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا، ہشام بن عروہ بھی انسانوں کے اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جسے کمزوریوں کا مجموعہ کہا گیا ہے اور پھر ہشام کا شمار تو ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جن کے متعلق جید محدثین اور ماہرین اسماء الرجال یہ رائے رکھتے ہیں کہ اخیر عمر میں اُن کا حافظہ بالکل ہی جواب دے چکا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مخاطب سے گفتگو کے دوران جملوں میں ربط برقرار نہیں رکھ پاتے تھے، ان کی ذہنی وجسمانی حالت کو بیان کرنے کے لیے نسیان کا لفظ شاید کم تر اصطلاح ہو درحقیقت جدید طبی اصطلاح کے مطابق وہ (Parkenson Disease) میں مبتلا تھے جو انسان کو ذہنی و جسمانی طور پر مفلوج کردینے والا مرض ہے، اس کے علاوہ آج کی جدید تحقیق کے مطابق Dimensia کے مریض بھی اکثر دورانِ

استدلال نمبر 41..... ہشام بن عروہ کا حافظہ اخیر عمر میں جواب دے گیا تھا:

محققین علم رجال کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ 71 برس کی عمر میں مدینہ منورہ سے کوفہ کی جانب عازم ہجرت ہونے والے ہشام بن عروہ کی ذہنی حالت عراق میں قیام کے دوران نارمل نہیں رہی تھی، بلکہ وہ نسیان میں مبتلا ہو کر فاتر العقل ہو چکے تھے، یہاں میں بعض محدثین اور علمائے رجال کی تصانیف میں سے بعض اقتباسات نقل کرنا چاہوں گا جو ہشام بن عروہ کے کمزور حافظے کی نشاندہی کرتے ہیں:

☆ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب ہشام عراق گئے تو ایک تو اخیر عمر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا اور دوسرے وہ اپنے پاس سے رطب و یابس بیان کرنے لگے تھے (تہذیب التہذیب)

☆ امام مالک کے علاوہ اہل مدینہ خود بھی ہشام میں غلطیوں کی نشاندہی کرنے لگے تھے جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کے عراق میں قیام کے دوران اُن کا حافظہ جواب دے گیا تھا (تہذیب التہذیب)

☆ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ جوانی میں ہشام کا جیسا حافظہ تھا وہ بڑھاپے میں باقی نہ رہا اور عراق میں انہوں نے لوگوں کے سامنے ایسی بہت سی احادیث پیش کیں جنہیں وہ خود صحیح طرح سے بیان نہیں کر پا رہے تھے (میزان الاعتدال)

☆ حافظ عقیلی نے تو یہاں تک تحریر کیا ہے کہ ہشام اپنی عمر کے آخری حصے میں حواس کھو بیٹھے تھے.....

(تذکرۃ الحفاظ)

☆ ابوالحسن بن قطعان کا دعویٰ ہے کہ ہشام آخری عمر میں احادیث اور ان کی سندوں میں گڑبڑ کرنے لگے تھے (تذکرۃ الحفاظ)

☆ لڑکپن میں جب ہشام بن عروہ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر علیہ الرحمہ سے احادیث سن کر نقل کیا کرتے تھے اُس وقت بھی توجہ، یکسوئی اور سنجیدگی کا وہ عنصر اُن میں مفقود تھا جو علم حدیث جیسے علم کی

سَمِعْتُ اَبِیْ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا

(میں نے اپنے والد سے سنا کہتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا)

ہشام نے عراق کا دوسرا سفر کیا تو روایت اس طرح بیان کرنے لگے:

سَمِعْتُ اَبِیْ اَوْ قَالَ اَبِیْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا

(میں نے اپنے والد سے سنا، یا میرے والد نے کہا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے)

جب ہشام نے عراق کا تیسرا سفر کیا تو روایت اس طرح بیان کرنے لگے:

عَنْ اَبِیْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا

(میرے والد سے مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں)

راوی کہتے کہ تزوج عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی یہ روایت ہشام کے تیسرے سفر کی یادگار ہے اور اُن کے اس طرز روایت سے امام مالک علیہ الرحمہ بھی اُن سے ناراض ہو گئے حالانکہ اُنہوں نے ہشام کے مدینے میں قیام کے دوران بہت سی احادیث اُن کی روایت سے مؤطا شریف میں نقل کی تھیں، لیکن اُنہیں جب یہ پتہ چلا کہ ہشام نے عراق میں یہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں تو وہ بھی اُن سے خوش نہ رہے، تاریخ بغداد کے مصنف جناب خطیب بغدادی نے امام مالک علیہ الرحمہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ ہشام کے بارے میں اکثر کہا کرتے تھے:

هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ كَذَّابٌ (ہشام بن عروہ جھوٹا ہے).....(تاریخ بغداد)

عبدالرحمٰن بن خراش کا بھی بیان ہے کہ عراق میں بیان کی ہوئی روایات کی وجہ سے ہشام بن عروہ امام مالک کے دل سے اتر گئے تھے اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ عراقی روایات کے باعث تمام اہل مدینہ نے ہشام پر اعتراضات شروع کر دیے (تہذیب التہذیب)

بھی مجبور کیا اور ۱۳۱ھ میں وہ قرض خواہوں کے تقاضوں سے تنگ آ کر کوفہ چلے آئے اور پھر دربار شاہی سے بھی منسلک ہوئے، عباسی خلیفہ کے آگے دستِ سوال بھی دراز کرنے لگے، اُن کی ذہنی حالت بھی ناساز ہوگئی اور وہ محدثین کے نزدیک ثقہ اور مستند نہیں رہے لہٰذا ۱۳۱ھ سے لے کر ۱۴۶ھ تک یعنی اپنی وفات تک کے جو 15 برس انہوں نے عراق میں گزارے اُس دوران اُن کی بیان کردہ روایات کا معیار وہ نہیں رہا جو پہلے ہوا کرتا تھا اور یہاں جو روایات اُنہوں نے بیان کیں اُن کے ثقہ ہونے میں شبہ ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یعقوب بن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ پہلے اُن (ہشام) کی روایات قابل قبول تھیں مگر جب وہ عراق گئے تو انہوں نے اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر علیہ الرحمہ کے توسط سے بہت سی ایسی روایات بیان کیں جنہیں اہل مدینہ نے برا تصور کیا، لوگ کہنے لگے کہ وہ دوسروں سے سنی گئی روایات بھی اپنے والد سے منسوب کر دیتے ہیں لہٰذا ہشام کی وہ روایات جو اہل عراق اُن سے نقل کریں اُن کا کوئی بھروسہ نہیں (تہذیب التہذیب)

ہشام کے حوالے سے یعقوب ابن ابی شیبہ کے اِس بیان سے بہت سی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں یعنی ہشام کی وہ تمام روایات جو اُن سے اہل عراق نے نقل کیں تمام کی تمام باطل ہیں، ایسی دو روایات ہیں جو کہ ہشام کی سند سے اہل عراق نے بیان کیں.....

☆ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح چھ سال اور رخصتی 9 سال کی عمر میں ہوئی.....

☆ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچپن میں گڑیوں سے کھیلتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے تھے.....

یہ دونوں ہی روایات ایسی ہیں جنہیں محققین کو قبول کرنے میں ہمیشہ سے تامل رہا ہے کیونکہ گڑیوں والی روایت اور کم سنی میں نکاح والی روایات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں.....

ہشام بن عروہ نے اِن روایات کو مختلف طریقوں سے بیان کیا جس سے ان کی سند مجروح ہو کر رہ گئی، انہوں نے اپنی زندگی میں تین دفعہ عراق کا سفر کیا، پہلے سفر میں وہ اس طرح روایات بیان کرتے تھے:

قبول نہیں، ہشام کی بیان کردہ زیادہ تر روایات متصل نہیں بلکہ منقطع ہیں اور اصول حدیث کی رُو سے مدلس یعنی Febricated کہلاتی ہیں جن کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا.....

یہاں محدثین کا یہ اصول بھی پیش نظر رہے کہ جب کسی روایت کے متصل اور موقوف ہونے میں راویوں کا اختلاف رائے سامنے آ جائے تو Benefit of doubt کے اصول کے تحت ایسی روایت کو موقوف کر دیا جاتا ہے (بالخصوص ایسی روایت کو جو شانِ رسالت پر حرف گیری کا سبب بنتی ہو) اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ قول ہشام تو ہو سکتا ہے مگر قولِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہیں ہو سکتا لہٰذا اِسے رد کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں اور نہ ہی یہ کسی گناہ کے زمرے میں آتا ہے.....

استدلال نمبر 40.....اس روایت کے اولین راوی ہشام بن عروہ کی سند قابل اعتبار نہیں:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم سنی میں عقد کی یہ روایت آگے نقل کرنے اور پھیلانے والا راوی ہشام بن عروہ ہے اور یہ ہی راوی تمام گڑبڑ کا سبب بنا ہے، علم رجال کی چھان بین میں متعدد سال کھپانے والے محققین نے لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ کی زندگی کے دو ادوار ہیں، ایک مدنی دور اور ایک عراقی دور، مدنی دور ۶۱ھ سے ۱۳۱ھ تک 71 برس قائم رہا، مدینے میں قیام کے دوران ہشام بن عروہ بہت معتبر راوی سمجھا جاتا تھا، جتنے عرصے وہ مدینے میں رہا اُس نے ایسی کوئی متنازعہ حدیث بیان نہیں کی جس پر اُس کا مواخذہ کیا جا سکتا ہو، اِس دور میں ہشام کے سب سے اہم شاگرد حضرت امام مالک علیہ الرحمہ ہیں جو اُس سے حدیث کا درس لیتے تھے اور جنہوں نے مؤطا شریف میں ہشام سے کئی روایات بھی نقل کی ہیں لیکن اِن میں نکاح والی روایت شامل نہیں، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ بھی ہشام کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں مگر انہوں نے بھی کم سنی والی اِس روایت کو کہیں نقل نہیں کیا، بہرحال ۱۳۱ھ تک ہشام کا شمار ثقہ راویوں میں ہوتا تھا لیکن اِس کے بعد کا دور اِس امر کی تصدیق نہیں کرتا کہ وہ ثقہ رہے ہوں، بعض محققین نے لکھا ہے کہ پیٹ تو سب کے ساتھ لگا ہوا ہے لہٰذا ضروریات زندگی نے انہیں

یہاں میں یہ امر بھی واضح کرتا چلوں کہ حدیث کی تعریف کی رُو سے ''عمرِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کی روایت حدیث نہیں بلکہ ''آثار'' کے زمرے میں آتی ہے، یعنی ایک ایسی روایت جو براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں بلکہ صحابہ کرام اور تابعین کی جانب سے منقول ہو، ایسی کوئی بھی روایت اگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہو تو پھر اُس کا درجہ نسبتاً اُس روایت سے بلند تر ہوتا ہے جو کسی تابعی نے بیان کی ہو، کم سنی میں شادی کی اس روایت کو اگرچہ بعض محدثین نے قولِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لکھا ہے لیکن بعض نے اِسے عروہ بن زبیر کا قول اور بعض نے اسے ہشام کا قول لکھا ہے.....

ہشام بن عروہ کی بیان کردہ اس روایت کو اگرچہ بیشتر محدثین نے بیان کیا ہے مگر بعض محدثین ایسے بھی ہیں جنہوں نے اسے بیان نہیں کیا یعنی سند سے اس کا ذکر نہیں کیا، جامع ترمذی، مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد شیبانی میں اس روایت کا ذکر نہیں، زیادہ تر محدثین نے اس روایت کو قولِ عروہ یا قول ہشام کے طور پر تو پیش کیا ہے مگر حدیثِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے طور پر ذکر نہیں کیا، امام بخاری، امام ابی داؤد، امام شافعی اور امام دارمی رحمھم اللہ نے بھی یہ روایت ام المومنین کی سند سے نہیں بلکہ ہشام بن عروہ کی سند سے بیان کی ہے.....

اگر کم سنی میں شادی کی یہ روایت براہ راست ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہوتی تو یقیناً اس کی قرار واقعی حیثیت ہوتی لیکن کیونکہ یہ ثابت ہو چکا کہ یہ قولِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہیں بلکہ قولِ عروہ یا قول ہشام ہے تو اس کی یوں بھی کوئی خاص حیثیت باقی نہیں رہتی اور اُس صورت میں تو بالکل بھی نہیں جبکہ یہ واضح ہو چکا ہو کہ یہ روایت زیادہ تر کتب میں ہشام بن عروہ جیسے شخص کی سند سے آگے بڑھی ہے، وہ ہی ہشام جن کے کمزور حافظے اور آخری عمر میں نقاہت کے سب قائل ہیں (ان کا تفصیلی ذکر آگے آ رہا ہے) مختلف کتب احادیث میں منقول اس روایت کی جرح و تعدیل سے پتہ چلتا ہے کہ ہشام بن عروہ ہی ان تمام روایات کی اصل ہیں جو کہ بعض محدثین کی نظر میں قابل

ایک ایسی روایت جس کی خبر دینے والا ایک فرد یا کئی افراد ہوں عقل کے نزدیک عادتاً غلطی کا امکان باقی رہے تو ایسی روایت کو ''خبر واحد'' یا ''خبر آحاد'' کہتے ہیں.....

متواتر کی مثال یوں سمجھیں جیسے سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا، یہ خبر ہمیں اتنے واسطوں سے پہنچی ہے کہ اس کا غلط ہونا عقل کے نزدیک عادتاً محال ہے اگر کوئی اس میں غلطی کا امکان جانے تو لوگ اُسے پاگل اور بے دین کہیں گے اور ''خبر آحاد'' کی مثال یہ ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا 40 سال کی عمر میں حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آئیں، اس خبر کے دینے والے اتنے افراد نہیں کہ عقل کے نزدیک اِن کی غلطی عادتاً محال ہو بلکہ غلطی کا امکان ہے اور جب خبر دینے والے راوی معتبر اور ثقہ نہ ہوں تو پھر اس روایت کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ اس کو غلط سمجھ کر ترک کر دیا جائے گا..... محدثین نے ''حدیث متواتر'' اور ''خبر آحاد'' کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''حدیث متواتر'' اور ''خبر آحاد'' کے مراتب علم میں فرق ہے..... دونوں کے حکم میں فرق ہے..... خبر متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے اُس کا نام یقین ہے..... اور خبر آحاد سے جو علم حاصل ہوتا ہے اُس کا علم گمان ہے..... گمان غالب ہو تب بھی تردد اور غلطی کا امکان موجود رہتا ہے..... اور گمان ناقص ہو تو پھر غلطی کا امکان مزید بڑھ جاتا ہے.....

محدثین کے اِن اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم سنی میں شادی والی روایت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اس روایت کا شمار ایسی روایات میں ہوتا ہے جو تواتر کے درجے پر فائز نہیں بلکہ ''خبر آحاد'' کے زمرے میں آتی ہیں..... خبر آحاد میں اعلیٰ درجے کے یقین سے لے کر شک اور کذب کے تمام تر امکانات موجود ہوتے ہیں، بعض وجوہ کی بناء پر محدثین نے خبر آحاد کو مکمل طور پر رد تو نہیں کیا لیکن راوی کی شخصیت کو ضرور پیش نظر رکھا ہے، اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم سنی میں شادی والی روایت کے مرکزی راوی ہشام بن عروہ کا کردار چونکہ مشکوک ثابت ہو چکا اس لیے یہ روایت سند کے اعتبار سے ناقص ثابت ہوتی ہے.....

بھی محروم ہے، معمولات دین کے بھی منافی ہے اور عظمت انسانیت اور شان رسالت کے بھی منافی ہے لہٰذا اسے کسی بھی صورت میں قبول نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً ایسی صورت میں تو بالکل بھی نہیں جبکہ اُس کے برعکس دوسری روایات، قرآنی وشواہد اور واقعاتی نظائر موجود ہوں.....

محدثین کرام نے جہاں قبولیتِ روایت کے ضابطے بیان کیے ہیں وہیں کسی روایت کو پرکھنے کا پیمانہ بھی بیان کیا ہے جس کے لیے ''اصول درایت'' کی اصطلاح بھی بیان ہوئی ہے، میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم سنی میں عقد کی روایت کو اس اصول پر بھی پرکھا مگر یہ ہی حقیقت آشکار ہوئی کہ یہ روایت اصول درایت پر بھی پوری نہیں اترتی حتیٰ کہ اس کی تاویل تک ممکن نہیں کیونکہ محدثین ہی نے یہ اصول بھی طے کیا ہے کہ اگر کسی واقعے کے متعلق اسی روایت کا دوسرا پہلو کہیں بھی نظر نہ آئے اُس صورت میں تو تاویل ممکن ہے لیکن اگر اُس کے برعکس دیگر روایات موجود ہوں تو پھر کسی تاویل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اُس صورت میں تو بالکل بھی نہیں کہ جب اِس کی زد میں کوئی عظیم ہستی آ رہی ہو، اس تناظر میں دیکھا جائے تو اس روایت کی قبولیت کا ہر امکان باطل ہو جاتا ہے.....

استدلال نمبر 39..... یہ روایت استناد کے مسلمہ اصولوں پر پوری نہیں اترتی:

محدثین کرام نے سند کے اعتبار سے احادیث کی درجہ بندی کی ہے..... ان مدارج میں سے بعض درجوں پر فائز روایات سند کے اعتبار سے زیادہ مستند اور بعض کم مستند ہیں..... بنیادی طور پر محدثین نے احادیث کی تین اقسام بیان کی ہیں: صحیح، حسن اور ضعیف..... مرتبے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو صحیح اعلیٰ ہے، حسن متوسط ہے اور ضعیف ادنیٰ ہے..... جہاں تک کسی روایت کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے یہ اصول پیش نظر رہے کہ کسی روایت کی ثقاہت اور صحت کا دارومدار راویوں کی تعداد، اُن کے کردار اور روایت کے تسلسل پر ہوتا ہے..... اگر کسی روایت کے راویوں کی کثرت اُس حد کو پہنچ جائے کہ اُن کا کذب پر متفق ہونا محال ہو تو اُس حدیث کو ''متواتر'' کہتے ہیں..... اس کے برعکس

عالم اسلام کے جید عالم دین ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے بھی کسی روایت کے غیر معتبر ہونے کے چند اصول تحریر کیے ہیں جن کے مطابق ہر وہ روایت رد کیے جانے کے قابل ہے جو کہ:

☆ عادتاً شانِ الوہیت کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس ہے حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ کسی کو معلوم نہیں.....

☆ ایسی فضول باتیں ہوں جو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے نہیں نکل سکتیں.....

☆ وہ روایت جو انبیاء کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو مثلاً یہ روایت کہ تین چیزیں نظر کو تیز کرتی ہیں: سبزہ زار، آب رواں اور حسینوں کو دیکھنا.....

☆ وہ روایت جو مشاہدے کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے.....

☆ وہ روایت جو صریح اور واضح احادیث کے خلاف ہو.....

☆ وہ روایت جو واقعے کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے نہانے سے پُھلہری پیدا ہوتی ہے.....

☆ وہ روایات جن میں آئندہ کی پیش گوئیاں بقید تاریخ ذکر کی گئی ہوں.....

☆ وہ روایات جو طبیبوں کے کلام سے مشابہ ہوں.....

☆ جس روایت کے الفاظ رکیک ہوں.....

محدثین اور ارباب سیر نے مذکورہ بالا اصولوں سے کام لے کر روایات کو جانچا اور پرکھا جو ان اصولوں پر پوری اتریں اُنہیں قبول کرلیا اور جو اِن پر پوری نہ اتریں اُن کو رد کر دیا (کتابِ موضوعات)

یہ کسی روایت کی عدم قبولیت کے وہ ضابطے ہیں جو محدثین نے طے کیے ہیں، ان ضابطوں کی روشنی میں جب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کم سنی میں عقد کی روایت کا محاسبہ کرتا ہوں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت خلاف قرآن بھی ہے، خلاف واقعہ بھی ہے، خلاف عقل بھی ہے، قطعی اجماع سے

استدلال نمبر 38..... یہ روایت قبولیت حدیث کے عام ضابطوں اور عقل کے خلاف ہے:

جو روایت عقل صریح اور قبولیت حدیث کے عام ضابطوں کے خلاف ہو وہ باطل ہوتی ہے، یہ اصول عہد حاضر کے کسی محقق نے نہیں بلکہ زمانۂ قدیم کے محدثین نے بیان کیا ہے جن کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ ابوالفرج ابن جوزی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہر روایت جو کہ:

☆عقل صریح کے خلاف ہو.....

☆فطرت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہو.....

☆محسوسات ومشاہدات کے خلاف ہو.....

☆قرآن مجید کے خلاف ہو.....

☆سنتِ متواترہ کے خلاف ہو.....

☆شریعت کے عام ضابطوں کے خلاف ہو.....

☆اجماع قطعی کے خلاف ہو.....

☆عظمت انسانی کے خلاف ہو.....

☆جس کی بنیاد اوہام پر ہو.....

☆جس میں معمولی باتوں پر سخت عذاب کی دھمکی ہو.....

☆جس میں معمولی کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو.....

☆نامکمل اور بے معنی ہو مثلاً یہ کہ کدو کو بغیر ذبح کیے نہ کھاؤ.....

☆جس کی سند میں انقطاع ہو.....

☆جس سے واقفیت تمام لوگوں کے لیے ضروری ہو مگر اسے بیان صرف ایک آدمی کرے.....

ایسی روایات کو قبول نہیں کیا جا سکتا اور وہ موضوع روایات کے زمرے میں آتی ہے (فتح المغیث)

پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے، ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاریخ وفات کا اثر نہ دین پر پڑتا ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر مگر سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کم سنی میں شادی کی وضعی روایت چونکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے بعض وجوہات کی وجہ سے (معاذ اللہ) ایک طعن بن گئی ہے..... تو ایسی روایات جن سے شان رسالت مجروح اور دامن ام المومنین داغدار ہو اور پھر اُس کے مقابلے میں دوسری روایات بھی موجود ہوں تو اُس روایت کو تو صرف ترک کرنا ہی کافی نہیں بلکہ ایک محقق کے لیے اُس کی تحقیق اور تعاقب ضروری ہو جاتا ہے.....

دلچسپ امر تو یہ ہے کہ متجد دین اور نام نہاد روشن خیال طبقہ وجودِ باری تعالیٰ، علم غیب، قضا وقدر، جبر و اختیار اور آخرت کے موضوعات پر جو کہ جز وایمان اور خارج از بحث ہیں، اُن پر بے لاگ گفتگو کرے تو بھی بعض محققین کو اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی عمر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر رائے زنی سے ہوتی ہے حالانکہ یہ ایک خالصتاً تاریخی مسئلہ ہے جس پر شانِ رسالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نا صرف یہ کہ بحث کی جاسکتی ہے بلکہ تحفظ ناموس رسالت کے جذبے کے تحت اِس روایت کو قطعی طور پر رد بھی کیا جاسکتا ہے کہ شادی کے وقت ام المومنین ایک 9 سالہ بچی تھیں، بالکل اسی طرح جس طرح کہ علماء کرام نے اُس روایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک رات میں 100 بیویوں سے تعلقات رکھتے تھے (معاذ اللہ) حالانکہ یہ بڑی مشہور روایت ہے اور عہد نامہ عتیق میں بھی موجود ہے مگر چونکہ شانِ نبوت کو مجروح کرنے کا باعث ہے اس لیے علماء نے اسے مکمل طور پر مسترد کر دیا، ام المومنین کی کم سنی میں عقد والی روایت بھی ایسی ہی ایک روایت ہے جس پر یقین رکھنا ہرگز ضروری نہیں اور اُس صورت میں تو بالکل بھی نہیں جبکہ وہ شانِ رسالت کو مجروح کرنے کا باعث بن رہی ہو مگر بدقسمتی سے ہمارے ہاں اندھا دھند تقلید کا جو رواج ہے اُس سے سینکڑوں غلط اور وضعی باتیں پیر تسمہ پا بن کر ہماری گردنوں پر سوار ہیں اور اُن کی آڑ میں دشمنانِ اسلام کو اپنا مذموم کھیل کھیلنے کا موقع مل رہا ہے.....

یہ پانی پلانے کا عمل میدان جنگ میں جاری تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ عمل ایک مسلح اور تجربہ کار عورت کا تو ہو سکتا ہے لیکن ایک دس گیارہ سالہ کم سن اور ناتجربہ کار بچی کا نہیں ہو سکتا، اُس کے لیے تو مشک اٹھانا بھی دشوار عمل ہے کجا کہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی تجربہ کار عورت کے ساتھ برابر کا شریک ہونا خود اس امر کا ثبوت ہے کہ ام المومنین ہرگز اس وقت کم عمر نہیں تھیں اور جب کہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس جنگ میں چودہ سالہ لڑکوں کو بھی شرکت کی اجازت نہیں دی گئی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا دس سال کی عمر میں اس کام پر مامور کی جاتیں اور اُن سے تو یہ توقع بھی نہیں کی جا سکتی کہ اُنہوں نے یہ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر انجام دی ہو کیونکہ آپ کی حیات طیبہ شاہد ہے کہ اپنے آقا و مولا کی مرضی کے بغیر آپ کوئی کام نہیں کرتی تھیں.....

استدلال نمبر 37.....ام المومنین کی عمر کا مسئلہ خارج از بحث نہیں:

بعض سیرت نگاروں نے یہ کہہ کر اس مسئلے کو خارج از بحث قرار دے دیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر کا مسئلہ چونکہ محض تاریخی نوعیت کا حامل ہے دینی نوعیت کا حامل نہیں اس لیے اس پر تحقیق لاحاصل ہے.....

یہ استدلال عمومی حد تک تو درست ہے مگر استثنائی معاملات میں درست نہیں، یہ ٹھیک ہے کہ اہل عرب میں کسی باقاعدہ کیلنڈر کی عدم دستیابی کے باعث بزرگ ہستیوں کی عمروں کے تعین میں 12 سے 15 سال کا فرق ایک معمولی بات ہے اور اِن میں سے کسی کی عمر کو قطعیت کے ساتھ متعین کرنا اور زیر بحث لانا وقت کا ضیاع ہے مثال کے طور پر ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاریخ وفات بقول امام بخاری ۲۳ ہجری ہے لیکن واقدی نے ۲۴ ہجری لکھی ہے مگر اس پر کسی نے حیرت کا اظہار نہیں کیا کیونکہ اہل علم جانتے ہیں کہ اِس قسم کے تاریخی تضادات جن کا کسی دینی معاملے سے تعلق نہ ہو یقیناً قابل اہمیت نہیں ہوتے تاہم جن واقعات کا اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر پڑتا ہو وہاں پھونک